شکنتلا

از

کالی داس

ترجمہ

ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری

اردو اکیڈمی سندھ
مشن روڈ ــــــ کراچی

اِس کتاب کے دو ایڈیشن برِّصغیر کی تقسیم
سے قبل انجمن ترقی اُردو ہند شائع کر چکی ہے

تیسرا ایڈیشن ـــــــــــــــــ ۱۹۵۷ء
مطبوعہ ـــــــــــــــــ مشہور پریس کراچی
کتابت ـــــــــــــــــ منشی عبدالقدیر جلیسری

قیمت

اُردو مرکز
گنپت روڈ، لاہور

فہرست

مقدّمہ

کیا تمھیں بہار کا شباب دیکھنا ہے؟ کیا تمھیں خزاں کی شفق کا نظارہ کرنا ہے؟ تمھیں وہ سب کچھ چاہیے جس میں حُسن کے ساتھ عظمت ہے اور تسکین کے ساتھ لطف؟ اور یا تم زمین و آسمان کی تمام رنگینیوں سے آشنا ہونا چاہتے ہو؟ تو لو ——— میں شکنتلا کا نام لیتا ہوں ——— اور تمھیں یہ سب مل گیا!

(گوئٹے)

کالی داس کا یہ ناٹک ہندوستانی ادب کا انمول موتی ہے اٹھارھویں صدی کے آخر میں جب سر ولیم جونس نے انگریزی میں اس کا ترجمہ کیا تو یورپ کے ادبی حلقوں میں ہل چل سی مچ گئی۔ پھر اسے جو مقبولیت حاصل ہوئی اس کا پتہ عمر خیّام کی رباعیات سے ہلکا نہیں۔ مغرب کی تمام زبانوں میں ———

جپسیوں (خانہ بدوشوں) تک کی بولی میں ــــــ اس کے ترجمے شایع ہوئے۔ گوئٹے جیسے ادیب نے جی کھول کر اس کی داد دی اور گوتیر جیسے شاعر نے فرانسیسی میں اس کا اوپیرا لکھا۔ اب ہیملیٹ، اور فاؤسٹ کے ساتھ اس کا شمار دنیا کے تین بہترین ڈراموں میں ہوتا ہے۔

خود اپنے دیس کے ادب میں شکنتلا کا مقام بہت اعلیٰ ہے۔ سنسکرت کے رسیا اس کے قدیمی شیدائی ہیں۔ ملک کی تمام ادبی زبانوں میں اس کے بھلے بُرے ترجمے ہو چکے ہیں۔ لیکن اُردو اب تک اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم رہی۔ کالی داس نے جو تین ڈرامے لکھے ہیں۔ ان میں سے ایک یعنی (بکرم اُروسی) اُردو میں منتقل ہو چکا ہے۔ دوسرا یعنی (مالوکا اگنی متر) نقشِ اوّل ہے اور باقی دونوں کی رفعت کو نہیں پہنچتا۔ البتّہ، اس کا محفلِ رقص کا سین بہت مشہور ہے اور میں اس کا ترجمہ شایع کر چکا ہوں جو میری کتاب "روشن مینا" میں شامل ہے۔ تیسرا ڈراما (شکنتلا) ہے جس کا ترجمہ پیشِ نظر ہے۔

دُنیا کے بڑے ادیبوں میں بہتیرے ایسے ہیں جن کے حالات کا پتا نہیں۔ لیکن کالی داس جیسا کوئی نہیں۔ مدّتوں کی چھان بین

کے باوجود اب تک نہ معلوم ہو سکا کہ وہ کس زمانے اور کس مقام کا آدمی تھا۔ ایشیائی ادیبوں کی لن ترانی کے مقابلے میں یہ خود فراموشی اور انکسار اس کی اخلاقی تہذیب کا شاہد ہے۔

اس کے متعلق جو نظریے قائم کیے گئے ہیں ان سب کی بنیاد اس کے اسلوب، الفاظ اور محاوروں کے استعمال اور مخصوص مقاموں، رسموں اور دیوتاؤں کے ذکر پر ہے۔ ان کی بنا پر محققین کا ایک گروہ اسے چوتھی پانچویں صدی میں جگہ دیتا ہے اور قیاس کہتا ہے کہ شاید یہ خیال ٹھیک ہو۔

کالی داس کی جو تحریریں اب تک دستیاب ہوئی ہیں، ان میں ڈراموں کے علاوہ رگھو ونش، کمار سنبھو، رِتو سنہار اور میگھ دوت نامی نظمیں بھی ہیں۔ آخرالذکر کا ترجمہ اُردو میں ہو چکا ہے۔ دراصل یہ نظمیں ہی ہیں، جن کی بنا پر کالی داس سنسکرت کا سب سے بڑا شاعر سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ برہمنوں کے ادبی نظریے کے مطابق ڈراما بھی ایک قسم کی نظم ہے، جسے درشیہ کاویہ، یعنی 'نظم مشہود' کہتے تھے۔ ڈراما کا مقصد زندگی کی کوئی تصویر پیش کرنا نہیں بلکہ کسی 'رس' کا اظہار محض ہے۔ اُردو یا کسی اور زبان میں 'رس' کا ہم معنی کوئی لفظ نہیں، کسی حد تک یہ 'جذبہ' کے

قریب آسکتا ہے۔

شکنتلا کا قصّہ کالی داس کے تخیّل کی اُپج نہیں۔ یہ بھی اس عظیم الشان داستان "مہابھارت" کی ایک کڑی ہے۔ یہ پوتھی ایک آئینہ خانہ ہے جس میں قدیم ہندو زندگی کا ہر پہلو صاف صاف نظر آتا ہے۔ اگر ایک طرف اس میں گیتا موجود ہے تو دوسری طرف نل دمن کی پریم کہانی بھی ہے۔ کہیں بزم کی رنگ رلیاں ہیں تو کہیں رزم کی مار دھاڑ۔ شکنتلا کا قصّہ بھی اسی میں نظم ہے اور بجائے خود بہت پُرلطف ہے۔ اس کا ایک ذرا سا خاکہ دینا بے محل نہ ہوگا تاکہ ڈرامے کے پلاٹ سے اس کا مقابلہ ہو سکے۔

راجا دُشینت شکار کھیلتے ہوئے ایک تپ بن میں جا پہنچتا ہے اور وہاں شکنتلا کو دیکھتا ہے۔ پہلی ہی نظر میں اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ وہ بھی اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ راجا کہتا ہے کہ ہم گاندھرو ریت کے مطابق شادی کر لیں۔ پُرانے زمانے میں جن مختلف قسم کی شادیوں کا رواج ہندی آریاؤں میں تھا، ان میں ان میں سے ایک یہ بھی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ دو چاہنے والے اپنی مرضی سے بیاہ کر سکتے تھے، کسی تیسرے آدمی کی شہادت کی ضرورت نہ تھی۔ پہلے تو شکنتلا جھجکی اور کچھ آنا کانی کرتی رہی،

لیکن راجا ان معاملوں میں مشاق تھا۔ اُس نے ایسی باتیں بنائیں کہ وہ جھانسے میں آگئی اور اس شرط پر شادی کے لیے رضامند ہو گئی کہ اس کا بیٹا گدّی کا وارث ہوگا۔

بیاہ کے بعد راجا اپنی نگری کو لوٹ گیا۔ اِدھر شکنتلا کے اس سے ایک لڑکا ہوا۔ برسوں گزر گئے اور جب راجا نے کچھ سُن گُن نہ لی تو وہ خود دو سادھوؤں اور اپنے بیٹے کو لیے ہوئے دربار جا پہنچی۔ راجا بھولا تو نہ تھا لیکن دُنیا کے دکھاوے کے لیے اس نے اسے پہچاننے سے انکار کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ راجا نے اُسے بہت بیدردی سے کھری کھری سُنائی۔ سادھو یہ تماشا دیکھ کر وہاں سے چمپت ہو گئے لیکن شکنتلا دلیری سے وہیں ڈٹی رہی۔ اپنی پاک دامنی کو سرِ بازار رُسوا ہوتے دیکھ کر وہ غصّے کے مارے کانپنے لگی۔ مہا بھارت کے شاعر نے یہ نقشہ بڑی خوب صورتی سے کھینچا ہے:۔ "یہ سُن کر وہ گدُگدُے سُرین والی شرم کے مارے وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ گویا یہ بے چاری درخت کی ایک سوکھی ساکھی ٹہنی تھی جسے پالا مار گیا تھا۔ اس کی آنکھیں غصّے سے سرخ ہو گئی تھیں اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اُس کی جلتی ہوئی چتونیں راجا کو

ابھی جلا کر خاک سیاہ کر دیں گی۔ تمتماتے ہوئے چہرے اور چور نگاہوں سے راجا کو دیکھتی ہوئی وہ خشک ہونٹوں والی بولی کہ "مہاراج! تم تو بڑے آدمی ہو، یہ اوچھا بول تمھیں کب زیب دیتا ہے۔ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر ذرا کہو تو دودھ کیا ہے اور پانی کیا ہے۔ کسی کی پچ نہ کر کے بتاؤ تو سہی کہ حقیقت کیا ہے۔ اپنے ضمیر کی آواز کو یوں نہ ٹھکراؤ۔ جو اپنے ضمیر کی اصل شکل کو مسخ کرتا ہے وہ سب سے بڑا مجرم ہے۔ اپنی خودی کے چور سے بڑا چور اور کون ہو سکتا ہے۔

تم سوچتے ہوگے کہ میرے من کی بات کو کون جانتا ہے۔ یوں نہ سمجھو کیونکہ من کے مندر میں ایک بڑا دیوتا رہتا ہے۔ اور وہ ہر نیکی و بدی کا حساب رکھتا ہے۔ اس کے دیکھتے سُنتے تم اتنی بڑی تہمت تراش رہے ہو۔ ہر بدکار اسی خام خیالی میں مبتلا رہتا ہے کہ میرے کیے کی کسی کو خبر نہیں۔ آسمان پر رہنے والا خدا اور دل میں رہنے والا انسان ——— یہ دونوں اسے خوب پہچانتے ہیں۔ سورج اور چاند، مٹی اور پانی، ہوا اور آگ، دن اور رات، صبح اور شام ——— یہ سب انسان کی زندگی کے گواہ ہیں۔ یم (موت کا دیوتا) اس کے گناہوں کو

معاف کر دیتا ہے جو نادم اور تائب ہے، لیکن جس کی فطرت بَد ہوتی ہے، یم اس کے لیے بجلی کا کوڑا تیار رکھتا ہے۔ جو اپنے ضمیر کو حقیر سمجھتا ہے اور اس کی ہدایت کے خلاف عمل کرتا ہے، دیوتاؤں کا رحم و کرم اس کے لیے نہیں۔"

اتنے میں ایک آکاش بانی سُنائی دیتی ہے کہ "اے دشینت تو نے جو مشعل جلائی تھی اُس کی آگ کو پہچان؛ جو بیج بویا تھا اس کے ثمر کو جان۔" یہ سُن کر راجا کو سُدھ آتی ہے۔ بڑے چیلے حوالے کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ پہلے انکار نہ کرتا تو دُنیا کو یقین نہ آتا۔ پھر وہ شکنتلا کو مہارانی اور بچّے کو اپنا وارث بنا لیتا ہے۔

یہ قصّہ بالکل سیدھا سادا ہے، دربار کے سین کے علاوہ اس میں کوئی ڈرامائی منظر نہیں۔ شکنتلا کا کردار بے رنگ ہے اور راجا کا سلوک سراسر نفرت انگیز۔

کالی داس نے اپنا پلاٹ یہیں سے لیا ہے۔ سنسکرت کے ڈرامائی نظریے کے مطابق ناٹک کا پلاٹ قدیم اساطیر سے لینا ضروری تھا۔ ابتدائی تمثیل نگار مثلاً بھاس، بھو بھوتی اور کالی داس اس قسم کی تحدیدوں پر سختی سے عمل کرتے ہیں

پھر یہ کوئی انوکھی بات بھی نہیں۔ شیکسپیر، گوئٹے وغیرہ کے پلاٹ اسی قسم کے قصّوں سے مستعار ہیں۔ سُگھڑ سے سُگھڑ برتن کی اصل وہی کچّی مٹّی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ان بے ترشے پتّھروں کو جوہری نے کیسی جِلا دی ہے۔

مہابھارت کی کہانی میں سب سے بڑا عیب یہ تھا کہ راجا کے رویے کی بظاہر کوئی وجہ نہ تھی۔ وہ ایک شہوت پرست دنیا دار تھا جو ایک بھولی بھالی لڑکی کو پھُسلا کر اپنا کام نکال لیتا ہے اور پھر اس کی بات بھی نہیں پوچھتا۔ آمنا سامنا ہونے پر بھی وہ ڈھٹائی سے کام لیتا ہے اور ہرگز پشیمان نہیں ہوتا۔ تاوقتیکہ آوازِ غیب نہیں سُنائی دیتی۔ شکنتلا ایک گنوار مگر ہوشیار لڑکی ہے۔ اس کا کردار نرا پھیکا پھاکا اور بے نمک ہے۔

کالی داس نے اس بے جان کہانی کو بڑی خوبی سے زندہ کیا ہے۔ راجا چلتے چلتے شکنتلا کو ایک انگوٹھی دے گیا۔ چند روز بعد آشرم میں ایک بگڑے دل سادھو کا گزر ہوا۔ شکنتلا اپنے پیا کی یاد میں ایسی حیران و پریشان بیٹھی ہے کہ مہمان کا دھیان نہیں۔ اُس زمانے میں مہمانوں کی عزّت دیوتاؤں سے زیادہ ہوتی تھی۔ معاشیات کے عالم اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں

کہ سماج میں نجی دھن مال کا خیال ابھی نیا تھا اور مہمان نوازی اس خیال کی بازگشت تھی کہ قدرت کے بھنڈار پر ہر فردِ بشر کا مساوی حق ہے۔ جو بھی ہو، یہ سادھو اپنی ہتک پر سخت برہم ہوا اور بد دُعا دی کہ تو جس کے دھیان میں یوں مگن ہے وہ تجھے یک سر بھول جائے گا۔ جب منّت وسماجت کی گئی تو اُس نے کہا کہ اچّھا انگوٹھی دیکھ کر وہ تجھے پھر پہچان لے گا جب شکنتلا آشرم سے پیتم کے گھر چلی تو وہ انگوٹھی ناگہاں ایک ندی میں گر پڑی اور شومئ قسمت کہ اُسے اس کی خبر بھی نہ ہوئی۔

اس میں شک نہیں کہ تصوّر دِل چسپ ہے اور اس سے داستان کا لطف بڑھ گیا۔ راجا کے دامن سے کلنک کا دھبّا چھُٹ گیا اور شکنتلا کی معصومیت اور بھی نکھر گئی۔ ہمارے لیے یہ بات اَن ہونی سی ہے کہ کسی کی بَد دُعا کا اثر اتنا دُور رس کیسے ہو سکتا ہے۔ لیکن کالی داس کے زمانے میں ایک برہمن کا قول سب کچھ بنا بگاڑ سکتا تھا اور کسی راجا سے گناہ کا ارتکاب ہونا محال تھا۔ یاد رہے کہ ہندو تمثیل نگار ہیں اپنے یونانی ہم کاروں کی آزادئ خیال ہمیشہ ناپید رہی اور ہندوستانی مزاج نے خود تنقیدی کی ٹیڑھی راہ سے

برابر گریز کیا۔

اس پس منظر کے بعد اب اصل ڈرامے کی طرف آئیں۔ اس کی روح شکنتلا کی ذات ہے۔ ہزاروں سال بیت گئے، لیکن شکنتلا کی صورت میں ہم اب بھی اُس ہندوستانی لڑکی کو دیکھ سکتے ہیں جس کا چہرہ ابھی غازے کے بار سے مسخ نہیں ہوا ہے۔ ہمیں اس بحث میں نہیں پڑنا ہے کہ یہ کردار کن خوبیوں اور کمزوریوں کا حامل ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ ہندستان کی نسوانیت کی یہ تصویر صحیح ہے، یا غلط۔ اس نظر سے دیکھیں تو شکنتلا کے سینے میں ہم اس کی بے شمار بہنوں کے قلب کی دھڑکن سُن سکتے ہیں۔ اس کی محبت بے پایاں ہے ماں باپ، شوہر، اولاد اور سکھی سہیلیوں کو بانٹ کر بھی یہ اَمر گنگا خشک نہیں ہوتی۔ چرند پرند اور پیڑ پودے تک اسی چشمۂ حیواں سے سیراب ہوتے ہیں۔ اس محبت میں لین دین کا کوئی جذبہ نہیں۔ اس کے بدلے وہ کسی چیز کی توقع نہیں رکھتی؛

اور اس کی تصویر بنانے میں کالی داس نے نزاکت، اور نفاست کی انتہا کر دی ہے۔ ایشیائی شاعروں میں تناسب،

موقع شناسی اور تہذیب کے اعتبار سے کوئی اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچتا۔ وہ تصویر میں رنگ دینا ہی نہیں جانتا بلکہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ کس رُخ پر روشنی کی کون سی کرن پہنچے۔ سنسکرت میں اس کی تشبیہیں ضرب المثل ہیں۔ اس کا تخیل جتنا بلند ہے، اس کا مشاہدہ اتنا ہی صحیح ہے۔ اس میں مبالغے کو دخل نہیں! مثلاً پہلے منظر میں گھوڑے کی تیزی رفتار کو لیجئے۔ یا آخری سین میں اندر کے رتھ کے آسمان سے نیچے اترنے کے بیان کو دیکھیے۔ جنھوں نے جوش اور غصے سے سرپٹ بھاگتے ہوئے گھوڑے کو غور سے دیکھا ہے اور ہوائی جہاز کی قلابازیوں کا لطف اُٹھایا ہے، وہ مانیں گے کہ کالی داس کا ایک ایک لفظ حقیقت پر مبنی ہے۔ ایسے مقام ڈرامے کے ہر ہر صفحے پر آئیں گے۔

یہ سوال ذرا کٹھن ہے کہ کالی داس نے یہ ناٹک کسی مقصد سے لکھا تھا یا نہیں۔ سنسکرت کا فنِ ڈراما اس قدر محدود ہے اور تمثیل نگار کا قلم اتنے تعینات میں چلتا ہے کہ دل یا نگاہ کو اِدھر اُدھر بھٹکنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ ناٹک شاستر نے ایک اٹل لکیر کھینچ دی ہے، جس کے باہر قدم رکھنے کا ہیاؤ

اُس زمانے کے لوگ نہ کر سکتے تھے۔ پلاٹ کہاں سے لیا جائے ہیرو کون ہو، ہیروئن کون ہو، وہ کس زبان میں بولیں، —— غرض کہ ہر باریک سے باریک نکتہ معیّن کر دیا گیا ہے۔ اور ان تمام قیود کے بعد صرف یہ کہنے کی گنجایش باقی رہ جاتی ہے کہ آرٹ کی تخلیق حرام ہے!

ظاہر ہے کہ ان بندشوں میں رہ کر حقیقی فن کاری دشوار ہے۔ صنعت گری دوسری چیز ہے مگر جو برہمن ذہنیت رنگ سازوں اور بڑھیوں کے لیے بھی قانون و ضوابط بنانے سے نہ چوکتی تھی، وہ بے چارے ناٹک والوں کا گلا یوں آسانی سے کب چھوڑ دیتی۔ غرض کہ فنّی تخلیق کی گردن میں پھندا سا پڑ گیا اور اس کا دائرہ کار بہت ہی محدود ہو گیا مگر سب سے زیادہ نقصان اس چلن سے ہوا کہ کوئی ناٹک المیہ نہ ہو۔ اسٹیج پر کوئی ٹریجڈی نہ دکھائی جائے۔ اور اگر کوئی دُنیوی طاقت رنج و محن کے اسباب پیدا بھی کرے تو اس کے سدِّ باب کے لیے دیوی دیوتاؤں کی ایک فوج تیار ہے۔ کہنے کی بات نہیں کہ انسان کی عظمت اس کی ٹریجڈی میں مضمر ہے۔ اور ادب کے اکثر شاہکاروں کا

اظہار اسی صنف میں ہوا ہے۔

ہمارے سوال کا جواب یہیں ملتا ہے۔ ایک طرف آرٹ کے خود رو رجحانات تھے جو لامحالہ ٹریجڈی کی طرف جاتے، اور دوسری طرف پنڈتوں کے خود ساختہ اور بے معنی آئین تھے جو فن کار کو پرانی لکیروں پر چلنے کو مجبور کر رہے تھے کالی داس کمزور تھا، اجتہاد نہ کر سکا۔ ادبی روایتوں کا دامن نہ چھوڑ سکا۔ خیال کی دنیا میں نشان برداری کا کام بڑے جیوٹ کا ہے، اور یہاں بڑے بڑوں کے پیر اکھڑ جاتے ہیں۔ تمثیلی وحدتیں Unities بتا رہی ہیں کہ یہ بہت بڑی ٹریجڈی ہے۔ لیکن برا ہو ان روایتوں کا کہ کالی داس جیسا باکمال بھی ٹھٹک گیا اور اسے بھی دستِ غیب کا آسرا ڈھونڈنا ہی پڑا۔

یہ ہندستانی عورت کی ٹریجڈی ہے۔ یہ اس کی بیچارگی کا مرثیہ ہے۔ یہ اس مرد کی سفاکی کا شکوہ ہے جو بھولی بھالی کنواریوں پر ڈورے ڈالتا ہے۔ اس وقت تک ان کا رس پیتا ہے جب تک چھک نہیں جاتا اور پھر انھیں پرانی جوتیوں کی طرح اتار کر پھینک دیتا ہے۔ ہیملیٹ کی ٹریجڈی زیادہ

عظیم الشان ہے کیونکہ وہ دُنیا کے اژدحام میں انسان کی تنہائی کی تصویر ہے۔ اور فاؤسٹ کا الم زیادہ عبرت ناک ہے کیونکہ یہ ایک روح کی خودکشی کا نظّارہ ہے۔ لیکن شکنتلا کا افسانہ ان دونوں سے زیادہ دردناک ہے۔ کیونکہ اس کا سوگ بے زبان ہے۔ وہ ایک دوشیزہ کی فریب خوردگی یا مایوسی نہیں بلکہ ایک ماں کی توہین کی کہانی ہے۔ ہیملیٹ اپنی محبوبہ کی پُکار کو نہیں سُن سکتا کیونکہ اُس کی عقل بھٹک رہی ہے۔ فاؤسٹ اپنی عاشقہ کی کراہ کو نہیں سُن سکتا کیونکہ وہ اپنے حواس بیچ چکا ہے۔ لیکن دُشنیت اپنی پیاری کی آواز کو نہیں پہچانتا کیونکہ وہ اُسے بھول چکا ہے۔

ایک عورت اپنے محبوب کے آگے کھڑی ہے۔ اس کے کانوں میں اب تک وہ مدبھرے گیت گونج رہے ہیں۔ جو اس بھولنے والے نے کل اُسے سُنائے تھے۔ اور اس کے ہونٹوں پر اب تک اس کا بوسہ رقص کر رہا ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ اُس کے بچّے کی حامل ہے۔ وہ دُنیا کے راہ و رسم سے بیگانہ ہے۔ جنگل کے پیڑ پودوں میں اس کی چھوٹی سی عمر گزری ہے۔ کل جس مرد نے اُسے زندگی کا ایک نیا

——— اور عورت کے لیے سب سے بڑا ——— راز بتایا تھا، وہ اس کی پناہ لینے آئی ہے۔ اس نے بے سوچے سمجھے محبت کی بھنور میں اپنی کشتی ڈال دی تھی۔ اب وہ اپنے باپ کے گھر نہیں لوٹ سکتی، ساحل کی زندگی اس کے لیئے نہیں۔

وہ امیدوں اور ارمانوں کا طلسم لیئے ہوئے اپنے محبوب کے دربار میں آئی ہی تھی کہ اس کی ایک "نہیں" نے خوابوں کی دنیا کو اجاڑ دیا۔ وہ بے درد اسے پہچاننے تک سے انکار کر دیتا ہے۔ وہ تو یہ بھی کہہ گزرتا ہے کہ یہ بچہ کسی اور کا ہے، تو، کسی اور کی ہے۔

یہ ہے وہ جواب جو مرد، عورت کو مدتوں سے دیتا چلا آیا ہے۔ حرامی بچوں اور بدنصیب طوائفوں کا سلسلہ یہاں سے شروع ہوتا ہے۔ تہذیب کے دامن پر یہ کتنا بدنما کلنک ہے۔ اور غور سے دیکھا جائے تو شکنتلا اسی کی دکھ بھری کہانی ہے۔

سچ پوچھا جائے تو ناٹک یہاں ختم ہو جاتا ہے۔ سنسکرت ادب میں ایک جگہ اور ایسا ہی واقعہ آیا ہے۔ جب رام چندر

لنکا سے سیتا کو لے کر لوٹتا ہے تو دُنیا کو ـــــــ اور خود اُسے ـــــــ اس کی پاک دامنی پر شبہ ہوتا ہے۔ اُس زمانے کے رواج کے مطابق اُسے آگ میں جلا کر دیکھا جاتا ہے اور اُسے آنچ بھی نہیں لگتی۔ اس کے بعد کسی کو اس پر الزام دھرنے کا حق نہیں رہتا۔ لیکن مَرد کا رشک یوں ٹھنڈا نہیں پڑتا۔ سیتا اس توہین کو برداشت نہیں کر سکتی۔ وہ اپنی دھرتی ماتا سے التجا کرتی ہے کہ مجھے اپنی گود میں جگہ دے۔ اور زمین پھٹ کر اُسے نگل لیتی ہے۔

شکنتلا کا انجام بھی اس سے کچھ ملتا جلتا ہے۔ اس کی ماں جو ایک پری ہے، اُسے اُٹھا کر آسمان پر لے جاتی ہے۔ یہ ڈراما کا "نکتۂ عروج" ہی نہیں بلکہ "انجام" بھی ہے۔ ناظر خود محسوس کرے گا کہ اس کے بعد فن کار کی قوت میں رفتہ رفتہ انحطاط ہو رہا ہے۔ اُسے پہچاننے کے لیے تھوڑی سی نکتہ شناسی کی ضرورت ہے، کیونکہ کالی داس حُسنِ بیان کا راجا ہے اور اس کے الفاظ کا جادو ایسا نہیں کہ کوئی بچ جائے۔

اس ڈرامے کے پہلے مترجم سر ولیم جونس نے کالی داس کو ہندستان کا شیکسپیر کہا ہے۔ در اصل یہ مرتبہ اُس کو پھبتا

بھی ہے۔ لیکن یہ ہمیں نہ بھولنا چاہیئے کہ کالی داس کا میدان بہت تنگ ہے اور اس میں ایک قسم کی خود اطمینانی اور بے نیازی سی ہے۔ دُنیا کی کشاکش اور قدرت کے راز اس کے دل میں کوئی تجسّس پیدا نہیں کرتے۔ ذہنی اعتبار سے اس کی حیثیت ایک طبّاع شاگرد کی ہے جو اپنے اُستاد کے بتائے ہوئے اصولوں پر آنکھ بند کر کے عمل کرتا جاتا ہے۔ اس کے سامنے کروڑوں شودر اور اچھوت، جانوروں سے بدتر زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن وہ اُن پر نگاہ ڈالنے کی بھی جرأت نہیں کرتا۔ برہمن کی حمد اور راجا کا قصیدہ —— یہ اس کا بندھا بندھایا فرضِ منصبی ہے۔ اس کی کوئی تحریر ہم میں بے قراری اور بے چینی پیدا نہیں کرتی۔ اس کا درس سکون کا ہے۔ اُس کے دروازے کے آگے بھوکوں اور کنگالوں کا انبوہ لگا ہوا ہے اور وہ کنڈی لگا کر اپنا پیٹ بھر رہا ہے۔ جو لوگ سنسکرت ادب کے زوال کی ذمّے داری مسلمانوں کی فتح پر رکھتے ہیں، انھیں اس کے اسباب ادیبوں کی روایت پرستی اور اجتہاد بیزاری میں ڈھونڈنے چاہئیں۔

لیکن ہمیں یہ بھی سوچنا ہے، کہ بہر حال کالی داس بھی اپنے

زمانے کی اولاد ہے۔ یہ وہ دن تھے جب بودھوں کے حملے کو روک کر برہمن پھر ابھر آیا تھا۔ ہندستان کی پوری تاریخ میں سماجی احتجاج کی جو ایک ہلکی سی چیخ سُنائی دی تھی، برہمن نے اُسے دبا دیا تھا۔ اس کشمکش کا ردِّ عمل اس صورت میں ہونا ہی تھا کہ لوگ اپنی روایتوں پر زیادہ شدّت سے عامل ہو جائیں۔ جب تک تاریخ کا نیا دَور شروع نہیں ہوتا، ادب میں کوئی نیا رجحان پیدا نہیں ہوتا۔

حیرت تو اس پر ہے کہ اتنے بندھنوں میں رہ کر بھی کالی داس یہ ستارہ کس آسمان سے توڑ لایا۔ یہ سچ ہے کہ وہ ہمیں ایسا پھل نہ دے سکا جسے انسانیت چکھ سکے۔ لیکن اس کے بدلے اس نے ہمیں ایک ایسا سدا بہار پھول دیا، جسے ہم رہتی دُنیا تک سونگھ سکتے ہیں۔

اس سے پہلے کہ ناٹک کا پردہ اُٹھے اور ناظرین اُس کی رنگینیوں میں کھو جائیں، ہمیں ان سے اس ترجمے کی داد لینا ہے۔

سب جانتے ہیں کہ ترجمہ —— اور وہ بھی کسی غنائی ڈرامے کا ترجمہ جو بڑے جوکھوں کا کام ہے۔ اس پر طرفہ یہ

کہ ترجمہ براہِ راست سنسکرت سے کرنا تھا۔ سنسکرت اور اُردو کی فطرتوں میں وہی فرق ہے جو کسی مالوے کے پنڈت اور لکھنؤ کے میرزا میں ہو سکتا ہے۔ اور سنسکرت بھی کالی داس کی، جو اس منجھی منجھائی اور دُھلی دُھلائی زبان کا سب سے بڑا صاحبِ طرز ہے۔ اس کی بلاغت اور معنی آفرینی ایک دوسرے پر دال ہیں اور ان دونوں کے ساتھ مختصر نگاری کا ایسا جھومر لگا ہوا ہے جو مترجم کی جان کا وبال ہے۔

اِدھر تو یہ دقّتیں تھیں، اُدھر سنسکرت کی کسی ادبی تصنیف کا اُردو میں براہِ راست ترجمہ نہیں ہوا تھا کہ نقشِ قدم کا کام دیتا۔ اس قسم کی یہ پہلی کاوش تھی۔ خود مشعل جلانا اور خود ہی راہ ٹٹولنا تھا۔ ان سب باتوں کو دیکھ کر کالی داس کا وہ اشلوک بار بار یاد آتا تھا۔ جو اس نے "رگھوونش" کے آغاز میں لکھا ہے۔ یہ نظم رام چندر کے اجداد کا قصیدہ ہے۔ شاعر اُن کے مقابلے میں اپنی بے بساطی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "کہاں یہ اونچا پورا پیڑ اور کہاں مجھ بونے کی کوشش کہ اس کی ٹہنیوں سے کوئی پھل اُچک لوں!"

بہر حال کام کرنے کا تھا اور کیا گیا۔ بھلے بُرے کی مجھے

خبر نہیں، مگر یہ ضرور کہوں گا کہ ترجمہ ایمان داری سے کیا گیا ہے
ترجمہ کرتے وقت ہمیشہ یہ اصول پیش نظر رہا ہے کہ اگر یہ
ناٹک اُردو میں لکھا جاتا تو اس کا روپ کیا ہوتا۔ اصل عبارت
میں نظم و نثر کا عنصر نصف نصف ہے۔ ترجمے میں نظم کو
مکالمے میں یوں کھلانے کا جتن کیا گیا ہے کہ بے ربطی پیدا
نہ ہو۔ اب جانچنے والے خود اس کے کھوٹے کھرے کی
پرکھ کریں۔

اختر حسین رائے پوری

کردار ڈراما

مرد:-

دُشنیت ہستنا پور کا راجا۔ پُرو کے گھرانے کا بانی دیوا۔

مادھو دُشنیت کا یار غار، دربار کا مسخرہ۔

کنو تپ بن کے رشیوں کا مُکھیا اور شکنتلا کا مُنہ بولا باپ۔

سردَمن دُشنیت سے شکنتلا کا بیٹا۔ آگے چل کر اس کا نام بھرت ہوا جس سے ہندستان بھارت ورش کہلایا۔

کشیپ ایک نامی گرامی جوگی جو برھما کا پوتا اور دیوتاؤں کا جنم داتا سمجھا جاتا تھا۔

ماتلی اِندر دیوتا کا رتھ بان۔

شارنگرو }
شاردوت } کنو کے چیلے۔

(کوتوال، پیادے، دربان، حاجب، ماہی گیر، سادھو وغیرہ)

عورتیں :-

شکنتلا :- مینکا اَپسرا (حُور) کی بیٹی، کنو کی مُنہ بولی لڑکی۔

پریمودا } شکنتلا کی سکھیاں۔
اَنسویا }

گوتمی کنو رِشی کی بہن، ایک بوڑھی جوگن۔

وسومتی دُشینت کی رانی۔

سانومتی ایک اَپسرا (حور)، شکنتلا کی سہیلی۔

ویتروتی } محل کی لونڈیاں۔
چترکا }

ادیتی کشیپ رِشی کی بیوی۔

(بھیلنیں، اَردابیگنی، مالنیں، جوگن وغیرہ)

اشارات

ہر سنسکرت ڈراما حمد سے شروع ہوتا ہے جسے ڈرامائی اصطلاح میں 'ناندی' کہتے ہیں۔ ایک برہمن اسٹیج پر آکر اُسے سُناتا ہے۔

پھر اداکاروں کا مُکھیا جسے سوتر دھار (ادا آموز) کہتے ہیں، آتا ہے اور اپنی نٹی یا دوسرے اداکاروں کو جتاتا ہے کہ آج فلاں کھیل ہوگا۔ اپنی گفتگو کے دوران میں وہ تماشائیوں کو آنے والے منظر کے لیے تیار کرتا ہے۔ اسے تمہید سمجھنا چاہیے۔

سنسکرت کے ناٹکوں میں ایکٹ یعنی 'انک' ہوتے ہیں لیکن مغربی ڈراما کی طرح انہیں مزید سینوں میں نہیں بانٹا جاتا، ایک ہی ایکٹ میں کئی کئی مناظر دکھا دیئے جاتے ہیں اور بسا اوقات زمان و مکان کا بھی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ مقدمے میں اس کے متعلق تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

البتہ دو ایکٹوں میں ربط قائم کرنے کے لیے کبھی کبھی نئے ایکٹ کے شروع میں ایک چھوٹا سا تمہیدی منظر پیش کیا جاتا ہے جسے 'فلیش بیک' یا 'پرولیشنگ' کہتے ہیں۔

عبارت میں جہاں بریکٹ کے اندر (خود) لکھا ہے اُس سے مُراد یہ ہے کہ کردار اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہے، کسی اور کو نہیں سُنا رہا ہے۔ جہاں بریکٹ میں (بآواز) لکھا ہے اُس سے مُراد یہ ہے کہ کردار کی خود کلامی ختم ہوگئی اور اب وہ دوسرے افراد کو مخاطب کر رہا ہے۔ انگریزی میں انہیں Aside اور Aloud کہتے ہیں۔ جب بریکٹ میں (علیحدہ) لکھا ہو تو یہ سمجھنا چاہیے کہ کردار حاضرین میں سے کسی آدمی کے کان میں کچھ کہہ رہا ہے۔

بریکٹ میں جہاں "پسِ پردہ" لکھا ہے اُس سے یہ مُراد ہے کہ دُور سے آواز آرہی ہے!۔

پرانک تلمیحات

کتاب میں کہیں کہیں ایسی تلمیحات آگئی ہیں جن کا تعلق ہندوؤں کی قدیم اساطیر سے ہے متن میں ایسے مقاموں پر نشان بنا دیا گیا ہے۔ ذیل میں اُن کے مطالب سلسلہ وار دیے جاتے ہیں:۔

(۱) ـــــ پاروتی نے اپنے باپ 'دچھ' کی مرضی کے خلاف شوُجی سے بیاہ کرلیا تھا۔ اس وجہ سے داماد اور خسر میں بڑی کھٹا چھنی رہتی تھی۔ ایک مرتبہ 'دچھ' کے گھر "یگیہ" کی تقریب ہوئی جس میں شوُجی کے سوا سب بڑے لوگ مدعو تھے۔ وہاں 'دچھ' نے اپنی بیٹی کے آگے شوُجی کو بُرا بھلا کہا۔ پاربتی پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ اس نے یوگ سادھ کر اسی وقت تن تج دیا۔ جب شوُجی کو خبر ملی تو وہ دَوڑے ہوئے آئے۔ 'دچھ' کو مار ڈالا اور مہمانوں کو ٹھوک پیٹ کر نکال دیا۔ بے چارہ

"دیگیہ" ہرن کا روپ لے کر بھاگا اور شوجی تیر کمان لیئے اس کے پیچھے دوڑے۔

(۲) یعنی اور سر مشٹھا کا سورما بیٹا جو بڑا نامی گرامی راجا ہوا ہے۔

(۳) روایت ہے کہ کسی زمانے میں جب 'سند' اور 'اپسند' نامی دو راکششوں نے دیوتاؤں کو دق کر ڈالا تو برھما نے انہیں فنا کرنے کے لیے ایک عورت پیدا کی جس کا نام 'تلوتما' تھا۔ کہتے ہیں کہ آج تک ایسی حسین عورت پیدا نہیں ہوئی۔ اسے 'لچھمی' کا پہلا اوتار بھی سمجھا جاتا ہے۔

(۴) ہندوؤں کے قدیم قانون کے مطابق ہر قسم کی پیداوار کے چھٹے حصے پر راجا کا حق سمجھا جاتا ہے۔

(۵) کسی زمانے میں 'بلی' نام کا راجا تھا جس نے دیوتاؤں کی زندگی دوبھر کر دی تھی۔ جب اس کا ظلم حد کو پہنچ گیا تو وشنو بھگوان نے اسے سزا دینے کا تہیہ کیا۔ 'بلی' کو اپنی سخاوت پر ناز تھا۔ اس کے دروازے سے کوئی سائل خالی ہاتھ نہ لوٹتا تھا۔ وشنو نے ایک بونے (وامن) کا بھیس لیا اور اس سے تین ڈگ بھر زمین کا سوال کیا۔ 'بلی' نے ہامی بھر دی تو وشنو نے ایک ڈگ میں دھرتی کو اور دوسرے میں آکاش کو

اور تیسرے میں پاتال کو ناپ ڈالا اور اس کے بعد 'بلی' کا ٹھکانا کہیں نہ رہا۔ آکاش کو ناپتے وقت اپنا ڈِگ 'شمیر' پہاڑ پر رکھا جہاں سے چاند نکلتا ہے۔

(۶) پُرو کے والدین ییاتی اور شرمشٹھا کی محبّت پُرانے زمانے میں بہت مشہور تھی۔

(۷) قدیم ہندو نظام زندگی کے مطابق گرہست (دُنیا دار) کو لازم تھا کہ ایک خاص عمر پر پہنچ کر دُنیا تج دے اور جنگل میں بیٹھ کر پوجا پاٹ میں اپنی آخری زندگی گزارے۔

(۸) ——— پُرانوں کا کہنا ہے کہ زمین کا سارا بوجھ ناگوں کے راجا کے سر پر رکھا ہوا ہے۔ اس کا نام شیش ناگ ہے اور اس کے پھنوں کی تعداد ایک ہزار ہے۔ وشنو بھگوان اس پر آرام فرماتے ہیں۔

عوام کا خیال ہے کہ جب شیش ناگ اپنے سر کو جُنبش دیتے ہیں تو زلزلہ آتا ہے۔

(۹) 'ہرنیہ کشیپ'، نامی راکشس کو شِوجی کی دُعا تھی کہ وہ کسی انسان' ہتیارہ یا بیماری سے نہیں مرسکتا۔ اُس نے دیوتاؤں کو بُری طرح تنگ کیا مگر اسی کا بیٹا 'پرہلاد' اُس سے باغی ہوگیا اور

اسے بھگوان ماننے سے انکار کر دیا۔ جب "ہرنیہ کشیپ" نے اُسے مارنے کا ارادہ کیا تو وشنو بھگوان ایک عجیب الخلقت جانور کا روپ لے کر آئے اور اپنے ناخونوں سے پیٹ چاک کرکے اُسے مار ڈالا۔ اس طریقے سے شوجی کی دُعا بھی نہ ٹوٹی اور وہ مار بھی دیا گیا۔

(۱۰) سُرگ (جنت) کا ایک پیڑ جسے "شجرِ تمنّا" کہنا چاہیئے۔ اس کے نیچے جاکر جو مانگیے اسی وقت مل جاتا ہے۔

(۱۱) دیکھیے —— پانچواں نوٹ۔

(۱۲) ہندو تمثیل نگاری کے موجد "بھرت" رِشی مانے جاتے ہیں۔ اور "ناٹک شاستر" ان سے ہی منسوب کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سنسکرت کا ہر تمثیل نگار ان کے نام کے ساتھ کتاب ختم کرتا ہے۔

شکنتلا

ترجمہ

تمہید

حمد

[ایک برہمن اسٹیج پر آکر حمد گاتا ہے]

ایشور تمہاری نگہ بانی کرے ـــــ وہ ایشور جس کی آٹھ صفات پردۂ شہود میں آئیں ـــــ خالق کی پہلی تخلیق یعنی وہ جو قربانی کی آگ کو جلاتی ہے (آگ)، وہ جو قربانی کرتا ہے (برہمن)، وہ دونوں جو زمانے کا تعین کرتے ہیں (سورج اور چاند)، وہ جو کائنات پر چھایا ہوا ہے اور سامعہ جس کی خصوصیت ہے (آکاش)، وہ جو رزق پہنچاتی ہے (زمین)، وہ جو جانداروں میں جان پھونکتی ہے (ہوا)

—— ان آٹھوں صفاتوں کی مخزن وہ ذات پاک
تمہاری حافظ و ناصر ہو۔

[سوتردھار (ادا آموز) آتا ہے]

سوتردھار (باہر دیکھ کر)

اجی، سنگار کر چکی ہو تو ٹک ادھر بھی آؤ۔

نٹی۔ (داخل ہو کر) کہئے، بندی حاضر ہے۔

سوتردھار۔ یہ پنڈتوں کی سبھا ہے۔ آج ہمیں ایک نیا تماشا دکھانا ہے جس کا نام 'شکنتلا' ہے۔ اسے کالی داس نے لکھا ہے۔ اداکاری پر خاص توجہ ہونی چاہیے۔

نٹی۔ آپ کی دیکھ ریکھ کے بعد کسی بھول چوک کا کھٹکا ہی نہیں رہتا۔

سوتردھار—— بھئی، اسے کیا کروں کہ فن کار کو خود اپنے کمال پر بھروسا نہیں ہوتا۔ جب تک دیکھنے والوں کی زبان سے واہ نہ نکل جائے، بات ہی کیا ہوئی۔

نٹی۔ ٹھیک ہے۔ یہ فرمائیے کہ اس وقت کیا کرنا ہے۔

سوتردھار۔ مناسب تو یہ ہے کہ کوئی وقت کی چیز سنا کر اس مجلس کو گرماؤ۔

نٹی ۔کس رُت کا گیت سُناؤں ۔

سوتر دھار ۔ گرمی ابھی شروع ہوئی ہے اور کچھ ایسی تکلیف دہ بھی نہیں ہے ۔ میری رائے میں تو اسی رُت کا راگ چھیڑو ۔ آج کل شام کا وقت کتنا سُہانا ہو جاتا ہے جب پانی میں ڈبکی لگانے سے تسکین ہوتی ہے ۔ جنگل کی ہوا پھولوں میں لوٹ پوٹ کر دلآرام ہو جاتی ہے اور گھنی چھاؤں میں فوراً نیند آجاتی ہے ۔

نٹی ۔ سچ ہے (گاتی ہے) :-

(سرس کے پھولوں کو بہت نزاکت سے توڑ کر
سُندر ناریاں کانوں کے لیے جھومر بنا رہی ہیں
ان کے زرتار کتنے حسین ہیں
اور انہیں بھونروں نے ابھی ابھی چوما ہے)

سوتر دھار ۔ بہت خوب ۔ تمہاری تان نے ایسا سماں باندھا کہ تمام مجلس پیکرِ تصویر بن کر رہ گئی ۔ اب یہ بتاؤ کہ آج ہمیں کون سا تماشا دکھانا ہے ۔

نٹی ۔ بھئی واہ ۔ حضرت ، آپ نے تو پہلے ہی اعلان کیا تھا کہ آج شکنتلا نامی ناٹک کی لیلا کرنا ہے ۔

سوتر دھار۔ یاد آیا۔ پل بھر کے لیے میں تمدہ بُدہ بھول گیا تھا۔ گیت کی دُھن میرے خیال کو اُسی طرح کھینچ لے گئی جیسے راجا دُشنیت کو یہ ہرن کھینچ لایا ہے۔

(دونوں چلے جاتے ہیں۔)

ڈراپ

پہلا ایکٹ

مقام ۔ جنگل

[ایک ہرن کا پیچھا کرتے ہوئے تیر کمان ہاتھ میں لیئے راجا اور رتھ بان رتھ میں بیٹھے نظر آتے ہیں]

رتھ بان۔ عمرت دراز۔

جب میری نظر ہرن پر اور آپ کے چڑھے ہوئے چلّوں پر پڑتی ہے تو بس یہ لگتا ہے کہ خود شوجی اس کا پیچھا کر رہے ہیں[1]۔

راجا۔ بھئی، یہ ہرن ہمیں کہاں سے کہاں لے آیا۔ اور اب بھی دیکھو کس مزے میں مُڑ مُڑ کر ہمارے رتھ کو کن انکھیوں سے تاکتا جاتا ہے۔ تیر لگنے کے ڈر سے دھڑ کے پچھلے حصّے کو کبھی کبھی اگلے حصّے میں سکوڑ لیتا ہے۔ اس کے نقشِ قدم پر ادھ چبی گھاس کے تنکے بکھرے ہوئے ہیں کیونکہ اس کا مُنہ تھکن کے مارے کھُلا ہوا ہے۔ اور ان برق رفتار چوکڑیوں کو تو دیکھو۔

---

[1] پرانک تلمیحات۔

یہ نہیں لگتا کہ وہ زمین پر ہے۔ یہی گمان ہوتا ہے کہ ہوا میں اڑ رہا ہے۔ حالانکہ میں برابر اس کا پیچھا کر رہا ہوں، پھر بھی وہ کتنا آنکھ سے اوجھل ہو گیا ہے!

رتھ بان۔ مہاراج، یہاں تک زمین اتنی ناہموار تھی کہ مجھے روک روک کر رتھ چلانا پڑا اور ہرن آگے نکل گیا۔ لیکن اب سپاٹ میدان آگیا تو یہ بچ کر کہاں جاتا ہے۔

راجا۔ تو اب گھوڑوں کی راس چھوڑ دو۔

رتھ بان۔ بہت خوب (تیزی سے رتھ چلاتے ہوئے) سرکار، دیکھیے دیکھیے راس ڈھیلی ہوتے ہی یہ گھوڑے کنوتی دبا کر یوں لپک رہے ہیں گویا اس ہرن کی تیزی سے خار کھائے ہوں۔ ہوا آگے بہ رہی ہے مگر کھر سے اُڑی ہوئی دھول اُن کے پیچھے نہیں لگ سکتی۔ اُن کے جسم کے اگلے حصے آگے کھنچ گئے ہیں۔ کلغی، بے حرکت ہو گئی ہے اور کان تن کر کھڑے ہو گئے ہیں۔

راجا۔ سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے اِندر اور سُورج دیوتا کے گھوڑوں کو بھی مات کر دیا۔ رتھ کی تیزی کا یہ عالم ہے کہ جو چیزیں دیکھنے میں پہلے چھوٹی معلوم ہوتی تھیں، وہ یک بیک

بڑی ہوگئیں - جو بکھری ہوئی تھیں وہ ایک آن میں سمٹ گئیں جو قدرتاً خم دار تھیں وہ چشمِ زدن میں ہموار ہوگئیں - گویا قربت اور فاصلے میں کوئی فرق ہی نہ رہا -

لو، اسے مرتے ہوئے بھی دیکھ لو -

(چلّہ چڑھاتا ہے)

(پسِ پردہ) مہاراج یہ آشرم کا ہرن ہے - اسے نہ ماریئے -

رتھ بان (کان لگائے، آنکھیں گاڑے)

حضور، تیر کی زد اور ہرن کے درمیان سادھو آگئے ہیں -

راجا (جلدی سے) - تو پھر گھوڑوں کو روک دو -

رتھ بان - بہت خوب (رتھ کو ٹھیرا لیتا ہے)

(ایک سادھو چیلوں کے ساتھ آتا ہے)

سادھو - (ہاتھ اوپر اٹھا کر)

مہاراج، یہ آشرم کا ہرن کُشتنی نہیں ہے - یہ تیر ہرن کے نازک جسم میں چبھنے کے لیئے نہیں - یہ آگ پھولوں کی ڈھیری پر رکھنے کے لیے نہیں - کہاں ہرنوں کی ننھی منّی جان اور کہاں تمہارے ناوک جو تلوار کی مانند تیز اور کوندے کی مانند تُند ہیں -

تو پھر بندہ پرور اس تیر کو ترکش میں رکھیے، کیونکہ یہ معصوموں کی جان لینے کے لیے نہیں بلکہ ان کی جان بچانے کے لیے ہے۔

راجا۔ اچھا، لیجیے، یہ چلّہ اُتر گیا۔

(تیر نکال لیتا ہے)

سادھو۔ پُرو[1] کے گھرانے کے چشم و چراغ، یہی تیری شان کے شایاں ہے۔ بھگوان کرے تو ایسے بیٹے کا باپ ہو جو راجاؤں کا راجا ہو۔

راجا (ہاتھ جوڑ کر) آمین۔

سادھو۔ راجا، ہم تو ایندھن جمع کرنے جاتے ہیں۔ وہ دیکھیے مالنی ندی کے کنارے ہمارے گرو کنو رِشی کا آشرم ہے اگر ہرج نہ ہو تو وہاں چلیے اور ہمیں میزبانی کا شرف بخشیے چلّے کی ڈوری سے آپ کے جن بازوؤں پر نشان بن گئے ہیں۔ اُس کا دائرۂ پناہ کتنا وسیع ہے۔ اس کا اندازہ اُس وقت ہوگا جب آپ اپنی آنکھوں سے سادھوؤں کو بے خوف و خطر پوجا پاٹھ کرتے دیکھیں گے۔

---

[1] پُرانک تلمیحات۔

راجا۔ کیا آپ کے گرو وہیں ہیں؟

سادھو۔ اپنی بیٹی شکنتلا کو مہانوں کی آؤ بھگت کی ہدایت کر کے وہ ابھی سوم تیرتھ اس غرض سے گئے ہیں کہ اس پر آنے والی ایک بپتا کی روک تھام کے لیے منت مانیں۔

راجا۔ خیر، میں شکنتلا ہی سے مل لیتا ہوں۔ میری بھگتی کا سندیسہ وہ اپنے بابا کو سنا ہی دیں گی۔

سادھو۔ یہی کیجئے۔ اب ہم لوگ جاتے ہیں۔

(چیلوں کے ساتھ جاتا ہے)

راجا۔ رتھ بان، گھوڑوں کو ہانکو۔ اس مقدس آشرم کو ایک نظر دیکھ کر ہم اپنے پاپ دھولیں۔

رتھ بان۔ بہت خوب (رتھ چلاتا ہے)

راجا۔ کسی نے بتایا نہیں، تاہم یہ مقام تپ بن[1] کا ڈانڈا معلوم ہوتا ہے۔

رتھ بان۔ یہ کیونکر؟

راجا۔ کیوں، کیا دکھائی نہیں دیتا؟

اِدھر اُدھر وہ بالیں بکھری پڑی ہیں جو سُگوں کے موکھوں

---

[1] تپ بن۔ اس جنگل کو کہتے تھے جو تپ جپ کے لیئے مخصوص ہو۔

سے نیچے ٹپک پڑی ہیں۔ بسلوں کی چکناہٹ صاف بتا رہی ہے کہ ان پر مال کنگنی کے پھل توڑے جاتے ہیں۔ ہرن آدمیوں سے اتنے ہل گئے ہیں کہ رتھ کی گھڑگھڑاہٹ کا ان پر مطلق اثر نہیں اور وہ ذرا نہیں بدکتے۔ پگڈنڈیوں سے لے کر ندی تک گیلے کپڑوں سے ٹپکی ہوئی بوندوں نے لکیر سی کھینچ دی ہے۔ ہوا کے جھلورے ہوئے پانی سے ندی کنارے کے پیڑوں کی جڑ دُھل دُھل کر سفید ہوگئی ہے اور قربان گاہوں کے دھوئیں نے پتّیوں کا رنگ بدل دیا ہے۔ ہرنوں کے بچّے پھلواری میں ہولے ہولے چر رہے ہیں کہ کہیں اُگے ہوئے پودوں کو نہ کُچل دیں۔

رتھ بان۔ بالکل درست، اب میں بھی تپ بن کو پہچان گیا۔

راجا تھوڑی دُور جاکر، کہیں آشرم والوں کا کچھ ہرج نہ ہو رتھ روک لو تو میں یہیں اتر جاؤں۔

رتھ بان۔ لیجئے، میں نے باگ کھینچ لی۔ اب آپ اتر جائیں۔

راجا۔ (اتر کر) رتھ بان، آشرم میں قدم رکھتے وقت تن پر سادہ لباس ہونا چاہیئے۔ اس لیئے تم ان چیزوں کو

سنبھالو۔ (جواہرات اور تیر کمان دے کر)۔ جب تک میں آشرم سے لوٹوں تم گھوڑوں کی پیٹھ ٹھنڈی کرلو۔

رتھ بان۔ بہت خوب (باہر جاتا ہے)

راجا۔ (راستہ ڈھونڈتے ہوئے) یہ رہا آشرم کا دروازہ یہیں سے اندر چلوں۔ (داخل ہوتے ہوئے، شگون دیکھ کر) یہ آشرم تو تپ جپ کا گھر ہے، پھر بھلا میری داہنی بانہہ کیوں پھڑک رہی ہے؟ یہاں اس کی تعبیر کیا ہوسکتی ہے؟

لیکن یہ نہ کہو قسمت کے دروازے ہر جگہ کھل سکتے ہیں۔

(پسِ پردہ) سکھیو، اِدھر اِدھر۔

راجا۔ پیڑوں کے اس جھرمٹ کے پیچھے باتوں کی آواز کیسی آرہی ہے۔ ذرا دیکھوں تو سہی۔

(اُدھر جاکر دیکھتے ہوئے)۔ اوہو! یہ تو آشرم کی کنواریاں ہیں جو پیڑ پودوں کو پانی دینے کے لیئے اپنے اپنے ڈیل کے جوگ کوئی چھوٹی کوئی بڑی گگری لیئے، اسی طرف آرہی ہے۔

(غور سے دیکھ کر) کیسا بانکا رنگ روپ پایا ہے۔ اگر ایسا

انوکھا روپ جو شاہی حرم میں بھی نایاب ہے، آشرم میں نظر آسکتا ہے تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ چمن کی بیلیں جنگلی بیلوں سے آنکھ نہیں ملاسکتیں۔ اب میں اس پیڑ کی آڑ میں دبک جاؤں۔ (چھپ جاتا ہے)

(شکنتلا اپنی سکھیوں کے ساتھ پانی دیتی ہوئی آتی۔ ہے)

شکنتلا۔ بہنو، اِدھر اِدھر

انسویا۔ پیاری شکنتلا۔ یہ پودے کنو بابا کو تجھ سے بھی زیادہ محبوب ہیں، ورنہ وہ تجھ جیسی گُل اندام سے ان کے تھلوں میں پانی دینے کی فرمایش کیوں کرتے۔

شکنتلا۔ صرف باباجی کے ارشاد کا پاس نہیں۔ بلکہ مجھے ان سے بہناپے کا ناتا بھی ہے۔

راجا۔ (خود) ایں، کیا یہی کنو کی بیٹی ہے؟ اس زاہدِ خشک کی سوجھ دیکھو کہ ایسی نازک بدن سے آشرم کی زندگی بسر کراتا ہے۔ اس البیلی سے تپ جپ کرانا ایسا ہی ہے جیسے کوئی ببول کی ڈال کو کنول کی پنکھڑی سے کاٹنے لگے!

میں اس جھاڑی کی اوٹ سے اس اُن جانی کو بخوبی دیکھ سکتا ہوں۔ (ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہا ہے)

شکنتلا۔ (رُک کر)۔بہن انسویا، پرمودا نے چولی کا بند اس قدر کس دیا کہ دَم گھُٹ رہا ہے۔ زری اسے ڈھیلی تو کر دینا۔

انسویا۔ اچھّا (ڈھیلا کرتی ہے)

پرمودا۔ اے ہے، اپنی جوانی کو نہیں کہتیں جو تمہارے جوبن کو اُبھار رہی ہے۔

راجا۔ (خود)۔واقعی یہ چھال اس دھان پان کے لیئے ناموزوں ہے۔کاندھے پر بندھے ہوئے اور جوبنوں کو جکڑے ہوئے چھال کے برن میں اس کا کھِلتا ہوا بدن ویسا ہی بے بس ہے جیسے سوکھی پتّیوں میں ڈھنکا ہوا پھول۔

مگر حُسنِ خداداد کو بناوَ سنگار کی پروا ہی کیا۔ چاند کے جمال کو اُس کا سیاہ داغ رونق بخشتا ہے۔کنول کیچ میں لپٹ کر بھی ہزار حسینوں کا ایک حسین رہتا ہے۔

یہ سرو قد چھال کے کپڑوں میں بھی بھلی لگتی ہے، کیونکہ حسن کے لیے کون سی شے باعثِ زیب نہیں ہے۔

شکنتلا۔جب ہَوا سے مولسری کی ٹہنیاں ہلتی ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ وہ ہاتھ ہلا کر مجھے بُلا رہا ہے۔ جاؤں اُس کے پاس۔ (اُدھر جاتی ہے)

پریمودا۔ میں واری، پل بھر تم وہیں کھڑی رہو، کیونکہ تمہاری قربت پر یہ گمان ہوتا ہے کہ اس مولسری کو دل لگانے کے لیئے ایک بیل مل گئی ہے۔

شکنتلا۔ اسی لیئے تمہیں پریمودا (شیریں کلام) کہتے ہیں۔

راجا۔ (خود)۔ پریمودا نے شکنتلا سے بات پیاری کہی اور سچ بھی ہے کیونکہ اس کے لب اسی بیل کی نئی کونپلوں کی طرح تازہ ہیں۔ بازو بیلی شاخوں کی طرح نازک ہیں اور جسم میں جوانی پھول کی طرح کھل رہی ہے۔

انسویا۔ پیاری شکنتلا، کیا تم اُس چمیلی کو بھول گئیں جس نے آم کے اس پیڑ سے خود ہی بیاہ کر لیا تھا اور تم نے اُس کا نام 'بن جوت' رکھا تھا۔

شکنتلا۔ اُسے تو تبھی بھولوں گی جب خود کو بھول جاؤں۔ (چمیلی کی بیل کے پاس جاکر)۔ جانی! کیسی سہانی گھڑی میں اس پیڑ اور بیل کا سنجوگ ہوا ہے۔ بیل کے پھول کہ رہے ہیں کہ شباب کی آمد آمد ہے اور آم کی ٹہنیاں بتا رہی ہیں کہ وہ جوانی میں بھرپور ہے۔

پریمودا۔ انسویا، جانتی ہو، شکنتلا کیوں اس چاؤ سے بیل کو

تک رہی ہے؟

انسویا۔ بھلا میں کیا جانوں، تمہیں بتاؤ۔

پریمودا۔ وہ جی میں سوچ رہی ہے کہ اس بیل کو جیسا من بھاتا بیڑمل گیا کاش ایسا ہی پیارا دولھا مجھے بھی مل جائے۔

شکنتلا۔ کہہ دیا اپنے دل کا حال۔ (گگری اُٹھتی ہے)

راجا۔ (خود) کہیں یہ کنورشی کی دوسری ذات کی بیوی سے نہ ہو۔ اجی چھوڑو ان وسوسوں کو بلاشبہ وہ چھتری سے بیاہی جاسکتی ہے کیونکہ میرا دل خود بخود اُس کی طرف مائل ہوگیا ہے۔ مُشتبہ معاملوں میں نیکوں کا ضمیر ہمیشہ راستی کی طرف جاتا ہے۔

پھربھی اس کے حال چال کا ٹھیک ٹھیک پتا لگاتا ہے۔

شکنتلا۔ (سہم کر) اے ہے! پانی کا چھینٹا جو پڑا تو ایک بھونرا چمیلی کو چھوڑ کر میرے مُنہ پر جھپٹ پڑا۔

راجا۔ (حسرت سے دیکھتے ہوئے)۔ بھونرے! ہم جس کی جستجو میں پریشان تھے، اُسے تو ہی نے پایا۔

تو بار بار اُن چنچل نینوں کو چھولیتا ہے جن کی پلکیں تھرتھرا رہی ہیں۔ اس کے کانوں کے آس پاس تو اس طرح

منڈلا رہا ہے گویا چپکے چپکے کوئی راز بیان کر رہا ہو۔ وہ تو اپنے ہاتھ ہلا رہی ہے لیکن تو ہے کہ اس کے ہونٹوں کا رس پی رہا ہے۔ ارے یہی رس تو جانِ آرزو ہے۔

شکنتلا۔ یہ ڈھیٹ بھونرا کسی طرح باز نہیں آتا۔ میں ہی یہاں سے ٹل جاؤں۔ (الگ ہٹ کر، دائیں بائیں دیکھتے ہوئے) لو، یہ کل مُنہا ادھر بھی آ پہنچا۔ ﷲ مجھے بچاؤ۔ اس بیہودہ نے مجھے ہلکان کر دیا۔

دونوں سکھیاں ——— (ہنس کر) ہم کون ہیں بچانے والے۔ دشینت کی دُہائی دو۔ تپ بن کا رکھوالا تو راجا ہوتا ہے۔

راجا۔ (خود) اپنے کو ظاہر کرنے کا یہی موقع ہے۔ ڈریے نہیں۔ (کہتے کہتے رُک کر) لیکن میرا بھرم کھُل جائے گا۔ خیر پھر یوں کیوں نہ کہوں۔

شکنتلا۔ (ہٹ کر اور منہ پھیر کر) ۔ اوئی، یہ کمبخت تو یہاں بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑتا۔

راجا۔ (جھٹ آگے بڑھ کر) یہ کون ہے جو بھولی بھالی رشی کماریوں سے چھیڑ خانی کر رہا ہے۔ کیا اسے معلوم نہیں کہ پُرو کا ایک نام لیوا نابنجاروں کا بَیری دُنیا پر راج کرتا ہے؟

انسویا۔ صاحب، کس کا دیدہ ہے کہ یہاں آکر چھیڑ چھاڑ کرے۔
ہماری سہیلی کو ایک بھونرے نے اتنا دِق کیا کہ وہ بےچاری
تنگ آگئی۔ (شکنتلا کی طرف اشارہ کرتی ہے)

راجا۔ (شکنتلا کے سامنے آکر) آپ کی تپشیا کا کیا حال ہے؟
(شکنتلا حیا کے مارے پیکرِ تصویر بنی ہوئی ہے)

انسویا۔ آپ جیسے مہمانوں کی آؤ بھگت بھی تو تپشیا ہی ہے شکنتلا،
کُٹیا جاکر پوجا کا سامان تو لے آؤ۔ پھل پھول لانا نہ بھولنا۔
پانو دھونے کے لیے یہ پانی کافی ہے۔

راجا۔ آپ کے میٹھے بول میری تواضع کے لیے بہت ہیں۔

پرمیودا۔ اس پیڑ کی ٹھنڈی چھانو میں دم بھر بیٹھ کر پسینہ ہی
خشک کر لیجئے۔

راجا۔ ظاہر ہے کہ آپ سب بھی اس کام سے تھک گئی ہوں گی۔

انسویا۔ شکنتلا، ہمیں مہمان کے پاس بیٹھنا چاہیے۔ آؤ بیٹھ جائیں
(تینوں بیٹھ جاتی ہیں)۔

شکنتلا۔ (خود) کیا بات ہے کہ اس اجنبی کو دیکھ کر میں ایک
ایسے جذبے سے مغلوب ہوئی جا رہی ہوں جو اِس تپ بن
کے لیے نا روا ہے۔

راجا۔ (سب کی طرف دیکھ کر) ۔ آپ تینوں بیتوں کو دیکھ کر آنکھوں کو ہیبت ہوتی ہے کہ سب کی عمریں برابر اور رنگ روپ ایک جیسا ہے۔

پریمودا۔ (علٰحدہ) انسویا، اس کی باتوں میں کیسا رس ہے اور کتنا سجیلا اور بانکا ہے یہ۔ آخر یہ ہے کون۔

انسویا۔ سکھی، میں بھی اسی سوچ میں ہوں۔ اچھا، میں اسی سے پوچھتی ہوں،

(بآواز) جناب کی خوش اخلاقی میرا حیاؤ بڑھاتی ہے۔ یہ جاننے کو جی چاہتا ہے کہ آپ کس راج بنس کے سردار ہیں؟ کس دیس کو جُدائی کا داغ دے کر آپ یہاں آئے ہیں؟ اس تپ بن تک آنے کی زحمت آپ نے کس غرض سے گوارا کی ہے؟

شکنتلا۔ (خود) ارے دل بے قرار نہ ہو۔ لے انسویا نے تیری سی کہہ دی۔

راجا۔ (خود) بنا اپنا بھرم کھولے میں کس ڈھنگ سے تعارف کراؤں۔ اچھا، یہ کہوں گا۔

(بآواز)۔ پُرو بنسی راجا نے مجھے دھرم کاج کی رکھوالی پر

مامور کیا ہے۔ اس آشرم تک میں یہ دیکھنے آیا ہوں کہ تپ جپ میں کوئی رکاوٹ تو نہیں ہوتی۔

انسویا۔ تو یہ کہیے کہ ہمیں ایک پاسبان مل گیا۔

(شکنتلا پریم لاج سے گڑی جا رہی ہے)

سکھیاں (اس کی حالت کو تاڑ کر۔ علیحدہ)۔ شکنتلا، اگر باباجی آج ہی لوٹ آئیں۔

شکنتلا۔ تو کیا ہو گا؟

دونوں۔ ہو گا کیا؟ ایسے انوکھے مہمان کو وہ اپنی پیاری سے پیاری متاع بھی بخوشی نذر کر دیں گے۔

شکنتلا۔ چلو ہٹو بھی! تمہارے دل میں بدی ہے، اسی لیے چھیڑ چھیڑ کر رہی ہو۔ میں تمہاری بات ہی نہیں سنتی۔

راجا۔ اب مجھے بھی اپنی سکھی کے متعلق کچھ پوچھنے کی اجازت دیجیے۔

سکھیاں۔ یہ تو عین ذرّہ نوازی ہے۔

راجا۔ مشہور تو یہ ہے کہ کنو رشی سدا کنوارے ہیں۔ پھر آپ کی سہیلی ان کی بیٹی کیوں کر ہوئیں۔

انسویا۔ سنیے۔ ایک مہا رشی کوشک گھرانے میں ہوئے ہیں۔ جن کا نام وشوامتر ہے۔

راجا۔ میں نے بھی ان کا نام سُنا ہے۔

انسویا۔ ہماری پیاری سکھی دراصل ان کی بیٹی ہے۔ کنو اس معنی میں اس کے باپ ہیں کہ اُنھیں یہ پڑی ہوئی ملی تھی۔ وہ اسے اُٹھا لائے اور پال پوس کر بڑا کیا۔

راجا۔ پڑی ہوئی ملی تھی! یہ سُن کر مجھے بڑا اچنبھا ہوا۔ کیا آپ شروع سے یہ قصہ نہ سُنائیں گی؟

انسویا۔ اچّھا سُنیے۔ کسی زمانے میں جب اِن مہارِشی نے بڑا کڑا جوگ سادھا تھا تو دیوتاؤں کا آسن ڈگمگایا اور اُنھوں نے تپ توڑنے کے لیے مینکا[ل] نامی پری کو بھیجا۔

راجا۔ دیوتاؤں کو دوسروں کی ریاضت کا کھٹکا ہمیشہ ہی لگا رہتا ہے۔

انسویا۔ بسنت رُت اور اُس حور کی جنوں نواز ادائیں! اسے دیکھ کر ـــــ (اتنا کہہ کر شرم کے مارے چپ ہو جاتی ہے)

راجا۔ انجام کا اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے، تو یہ کہیے کہ یہ پری زاد ہیں۔

انسویا۔ اور کیا۔

راجا۔ یہ حُسن انسان زادیوں میں ناپید بھی ہے۔ جوت سے جگمگاتی

ل اپسرا۔ حور سے ملتی جلتی ایک جنس۔

ہوئی بجلی دھرتی میں سے کیوں کر نکل سکتی ہے۔

(شکنتلا شرم کے مارے کٹی جا رہی ہے)

راجا۔ (خود) شجرِ تمنّا میں پھل آنے لگے۔

پرمودا۔ (مسکراتی ہوئی پہلے شکنتلا اور پھر راجا کو دیکھ کر)۔ ایسا لگتا ہے کہ آپ پھر کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔

(شکنتلا انگلی دکھا کر سہیلی کو تنبیہ کرتی ہے)

راجا۔ آپ نے خوب بھانپا۔ پوری کہانی سننے کی سادھ ابھی باقی ہے، اس لیے کچھ اور پوچھوں گا۔

پرمودا۔ تکلف نہ کیجیے۔ سادھوؤں سے جو جی چاہے پوچھیے۔

راجا۔ میں آپ کی سکھی سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان کا بیراگ کب تک کے لیئے ہے۔ صرف شادی تک ہے۔ یا یہ مرگ نینی جو ہرنیوں کی پیاری ہے، سدا اُنہیں کے بیچ رہے گی۔

پرمودا۔ صاحب، ابھی تو جپ تپ میں بھی یہ پرائے بس میں ہے۔ مگر یہ ضرور ہے کہ اِس کے بابا کسی جوگ بر سے اس کا بیاہ کرنا چاہتے ہیں۔

راجا۔ (خود)۔ پھر میری آرزو عبث نہیں۔ دلِ دیوانہ! اب تو

آس رکھ تیرے وسوسے غلط ثابت ہوئے۔ جسے تو آگ
کی چنگاری سمجھتا تھا وہ تو ایسا رتن نکلا جسے تو گلے میں
ڈال سکتا ہے۔

شکنتلا۔ (بگڑ کر)۔ انسویا میں جاتی ہوں۔

انسویا۔ کیوں؟

شکنتلا۔ میں اس چرب زبان پریمودا کی شکایت گوتمی مائی
سے کروں گی۔

انسویا۔ اچھی، ایسے بھلے مانس مہمان کی بات پوچھے بنا اُٹھ کر
چلے جانا نامناسب ہے۔

راجا۔ (اُس کا دامن پکڑتے پکڑتے رہ جاتا ہے۔ خود) اُف،
اوہ، پریمیوں کے من کا بھید ان کے من چلے پن سے
کھلتا ہے۔ اِس رشی کماری کو میں روکنا ہی چاہتا تھا کہ
ادب نے میرے ہاتھ تھام لیئے۔ مگر عجب بات ہے کہ
میں نے اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی اور محسوس ہونے لگا
کہ میں گیا بھی اور لوٹ بھی آیا۔

پریمودا۔ (شکنتلا کو پکڑ کر) سکھی پیاری، یوں نہ جانے پاؤ گی۔

شکنتلا۔ (چیں بجبیں ہو کر)۔ کیوں نہ جاؤں؟

پریمودا۔ میں نے تمہارے بدلے دو پیڑوں کو پانی دیا تھا۔
پہلے اِس قرض کو چکاؤ، پھر جاؤ۔
(زبردستی روک لیتی ہے)۔

راجا۔ یہ آپ کی زیادتی ہے۔ ان کا کومل گات تو اپنے ہی حصّے کے کام سے نڈھال ہو چکا ہے۔ دیکھیے نا، گگری اُٹھانے سے ان کے کاندھے ڈھل گئے ہیں اور ہتھیلی لال گُلال ہو گئی ہے۔ کانوں میں سرس کے پھولوں کے جو جھومر پڑے ہیں وہ پسینے کے تار سے چپک گئے ہیں۔ زور زور سے سانس لینے کی وجہ سے دل اب بھی دھڑک رہا ہے۔ جُوڑا کھل گیا ہے اور ایک ہاتھ سے سنبھالنے کے باوجود بال کُھل کر پریشان ہو گئے ہیں۔ لیجیے، میں ان کا قرض بے باق کرتا ہوں۔ (اپنی انگوٹھی دیتا ہے۔ نگینے پر کندہ نام کو پڑھ کر دونوں حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگتی ہیں)

راجا۔ آپ نے کیا سمجھا۔ اجی یہ راجا کی دین ہے۔

پریمودا۔ پھر اسے اُنگلی سے الگ کرنے کی ضرورت نہیں۔ قرض چُکانے کے لیے آپ کا اتنا کہہ دینا کیا کم ہے۔

(شکنتلا سے ہنس کر)۔ ہمارے مہمان یا مہاراجا، جو کہہ لو۔

ان کی مہربانی سے تم آزاد کی جاتی ہو۔ اب تم جا سکتی ہو۔

شکنتلا۔ (خود) کاش میں اپنے آپ پر قابو رکھ سکوں۔

(بآواز) تم کسی کو روکنے یا چھوڑنے والی ہوتی کون ہو۔

راجا۔ (ایک نظر شکنتلا کو دیکھ کر۔ خود)۔

کیا یہ بھی میری طرف اسی طرح مائل ہے جس طرح میں اس کی طرف؟ کیا میری دُعا نے اثر کیا؟ گو وہ مجھ سے مخاطب نہیں ہوتی لیکن جب کچھ کہتا ہوں تو توجہ سے سُنتی ہے۔ وہ میری طرف نہیں دیکھتی تو کیا ہوا وہ آنکھ بھر کر اور کسی کو بھی تو نہیں دیکھ سکتی۔

(دُور سے آواز آتی ہے)

ارے او جوگیو! تپ بن کے جانوروں کی حفاظت کا دھیان رکھنا۔ راجا دشینت شکار کھیلتے کھیلتے کہیں قریب ہی آئے ہیں۔ دیکھو۔ گھوڑوں کی ٹاپوں سے اُڑائے ہوئے خاک کے ذرّے جابنار سورج کا رنگ لے کر جب آشرم کے پیڑوں بیٹھنے لگتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ ٹڈی دل نے دھاوا بول دیا ہے۔

اور اس ہاتھی کو دیکھو جو رتھوں کی آواز سے گھبرا کر

بوکھلایا ہوا یوں چلا آرہا ہے گویا ہماری تپسیا کو درہم برہم کرنے کے لیے کوئی مجسّم بلا آرہی ہو۔ ایک پیڑ کے تنے میں اس نے اپنا دانت گھسیڑ دیا ہے اور وہ کہیں سے بیلوں کو اپنے پانو میں پھنسا لایا ہے جو جال کی طرح لپٹی ہوئی ہیں۔ یہ دیکھو ہرن اس کے ڈر سے بھاگے جا رہے ہیں۔

(سُن کر سب چونک پڑتے ہیں)

راجا۔ (خود)۔ لاحول ولا۔ لوگ میری تلاش میں اس تپ بن کو ہراسیمہ کیے دے رہے ہیں۔ اب مجھے فوراً واپس جانا چاہیے۔

سکھیاں۔ اجی، اس پاگل ہاتھی کی خبر سُن کر ہمارا کلیجہ دھڑکنے لگا۔ اب ہمیں اپنی کُٹی جانے کی اجازت دیجیے۔

راجا۔ (تیزی سے) ہاں، آپ لوگ سدھاریں۔ میں بھی جا کر دیکھتا ہوں کہ تپ بن کے امن میں کسی قسم کا خلل نہ ہو۔

(سب اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں)

سکھیاں۔ سرکار، ہم آپ کی کوئی خاطر نہ کر سکے۔ یہ کہتے لاج آتی ہے کہ پھر کبھی درشن دینا۔

راجا۔ یہ نہ کہیے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا خوش نصیبی ہو سکتی تھی کہ آپ کو دیکھ لیا۔

شکنتلا۔ (چلتے چلتے)۔ انسویا، میرے پیر میں ایک کانٹا چبھ گیا ہے اور میرا دامن جھاڑی میں اُلجھ گیا ہے۔ ذری ٹھیر جاؤ تو چھڑا لوں۔

(اس بہانے سے راجا کو دیکھتی ہوئی آہستہ آہستہ اپنی سکھیوں کے ساتھ جانے لگتی ہے)۔

راجا۔ (سب کے جانے کے بعد) مجھے شہر جانے کی کوئی جلدی نہیں ہے۔ اپنے ساتھیوں کو ڈھونڈوں اور یہ حکم دے دوں کہ اس آشرم کے پاس ہی ڈیرا ڈالیں۔

شکنتلا کے خیال کو میں ایک لمحہ کے لیئے بھی اپنے دل سے دُور نہیں کر سکتا۔ میری یہ حالت ہے کہ جسم تو آگے بڑھ رہا ہے لیکن دلِ بے قرار پیچھے بھاگ رہا ہے۔ ویسے ہی جیسے بادِ مخالف میں کسی جھنڈے کا ریشمی[1] پھریرا اُڑ رہا ہو۔ (چلا جاتا ہے)

ڈراپ

---

[1] اصل میں "چین آنشک" یعنی، چین کا بنا ہوا ریشم ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ہندوستان اور چین میں تجارتی تعلقات قائم ہو چکے تھے۔

دوسرا ایکٹ

مقام — جنگل میں راجا کا ڈیرا

(خستہ حال مسخرا مادھو آتا ہے)

مادھو۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر)۔ ہائے بُری قسمت! اس شکاری راجا کی دوستی نے تو کہیں کا نہ رکھا۔ یہ ہے ہرن، وہ ہے سوّر، یہ بھاگا شیر، اِسی تگ و دو میں زندگی بنجارے کا چُولھا بن کر رہ گئی۔ بھری دوپہر کو بَن بَن کی خاک چھاننی پڑتی ہے۔ پہاڑی جھرنوں کا کسیلا اور گدلا پانی پینا پڑتا ہے۔ وقت بے وقت کچّا پکّا گوشت کھانا پڑتا ہے۔ گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے بند بند ڈھیلے ہو جاتے ہیں تو راتوں کو کیا خاک نیند آئے۔ پھر نور کے تڑکے یہ حرام زادے چڑی مار جنگل میں ایسا ہانکا کرتے ہیں کہ آنکھ کھٹ سے کُھل جاتی ہے۔

مگر مصیبت نے یہیں پیچھا نہ چھوڑا، مرے کو ماریں شاہ مدار، کل جو ہم بچھڑ گئے تو قسمت نے غچّا دیا۔ یعنی سرکار ہرن کا

پیچھا کرتے ہوئے ایک آشرم میں جا گھسے اور وہاں کسی سادھو کی لڑکی کو دیکھ لیا۔ اب حضرت کسی طرح شہر لوٹنے کا نام نہیں لیتے۔ اس سوچ میں مجھے رات رات بھر نیند نہیں آتی۔ کیا کیا جائے۔

حضور نہا دھو لیں تو میں سلام کو جاؤں۔

(ٹہلتے ہوئے، سامنے دیکھ کر)۔ لو، ہمارے مہربان ادھر ہی آ رہے ہیں۔ بھیلنیں ہاتھ میں تیر کمان لیئے گلے میں جنگلی پھولوں کے ہار ڈالے ان کے ساتھ ساتھ چلی آ رہی ہیں۔ بس یوں بے حرکت کھڑا ہو جاؤں گویا مفلوج ہو گیا ہوں۔ چلو اسی بہانے تھوڑا سا آرام مل جائے۔

(ڈنڈے پر بھار دے کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اتنے میں راجا حوالیوں کے ساتھ آتا ہے)

راجا۔ (خود)۔ یہ سچ ہے کہ میرا محبوب سہج میں نہیں مل سکتا۔ لیکن اس کی ادائے محبّت دل کو تسکین دیتی ہے۔ عشق اپنی منزل کو نہیں پہنچا تو کیا ہوا۔ دونوں طرف آگ لگی ہوئی ہو تب بھی مزہ ملتا ہے۔ (مسکرا کر) جب کسی کی کسی سے لگی ہو اور وہ اپنے حالِ دل سے دوسرے کے جذبات کا

اندازہ لگانا چاہے تو یوں ہی دھوکا کھاتا ہے۔

نگاہ دوسری طرف ہونے کے باوجود ایک آدھ چتون کا ادھر بھٹک آنا، سرین کے بوجھل پن کی وجہ سے وہ آہستہ خرامی، سکھی کی اس التجا پر کہ 'نہ جاؤ'، اسے جھڑک دینا، کیا یہ اٹھکھیلیاں مجھے دِکھانے کے لیے نہ تھیں؟.......توبہ عاشق بھی کتنا خود فریب ہوتا ہے!۔

مادھو۔(اسی حالت میں)۔سرکار میرے ہاتھ پیر سُن ہو گئے ہیں۔اس لیے ہاتھ اُٹھا کر آشیرباد[1] نہیں دے سکتا۔

راجا۔خیر تو ہے۔تمہیں لقوہ کیسے ہو گیا۔

مادھو۔چہ خوش آپ ہی نے آنکھوں میں کچوکا دیا اور پھر خود ہی پوچھتے ہیں کہ آنسو کیوں آ گئے۔

راجا۔تم تو پہیلی بُجھا رہے ہو۔

مادھو۔یہ فرمائیے کہ بید خود ٹیڑھی ہوتی ہے یا پانی کا دھارا اُس میں خَم پیدا کرتا ہے۔

راجا۔ظاہر ہے کہ یہ پانی کے دھارے کا کام ہے۔

مادھو۔بس، اِسی طرح میرے مصائب کی علت آپ کی ذات

---

[1] آشیرباد۔دُعا۔

والا صفات ہے۔

راجا۔ یہ کیوں کر؟

مادھو۔ راج پاٹ چھوڑ کر اس بنجر میں آپ نے جنگلیوں کا ایسا بانا لیا ہے کہ میری تو سٹّی گم ہو گئی۔ جانوروں کا ہانکا کرتے کرتے ہڈّی پسلی چور چور ہو گئی۔ خدارا، ایک آدھ روز کمر تو سیدھی کر لینے دیجئے۔

راجا۔ (خود) اس کا یہ حال ہے۔ ادھر میرا من شکنتلا کی یاد میں اتنا مگن ہے کہ شکار اسے بالکل نہیں بھاتا۔

اُن ہرنوں پر میں بان کیسے چھوڑوں جن کی سنگت میں رہ کر میری جانِ جاں کی چتون اتنی بھولی بن گئی ہے۔

مادھو۔ (راجا کی طرف دیکھ کر) سرکار جی ہی جی میں کچھ بچار رہے ہیں۔ اور ہونٹھوں ہونٹھوں میں کچھ بڑ بڑا رہے ہیں۔ ایسا میری بات ایسی ہے جیسے صدا بصحرا۔

راجا۔ (ہنس کر)۔ کیسے ممکن ہے؟ دوست کی بات کہیں ٹالی جاتی ہے۔ چلو، آج چھٹّی منائیں۔

مادھو۔ جُگ جُگ جیو۔ (جانا چاہتا ہے)

راجا۔ ٹھیرو صاحب، ابھی کچھ کہنا ہے۔

مادھو- ارشاد؟

راجا- جب تم تازہ دم ہو جاؤ تو ایک چھوٹے سے کام میں میری مدد کرنی ہوگی۔

مادھو- چھوٹا سا کام! کیا لڈّو پیڑے کھانا ہے؟ اس کے لیئے تو میں اب بھی بسر و چشم حاضر ہوں[1]۔

راجا- اس کی تفصیل پھر بیان کروں گا۔
کوئی ہے؟

چوبدار- کرامات جہاں پناہ۔

راجا- سپہ سالار کو بھیجو۔

(چوب دار باہر جاتا ہے اور سپہ سالار کو لیئے لَوٹ کر آتا ہے)۔

چوبدار- حضور کی نظریں آپ کے انتظار میں اسی طرف لگی ہوئی ہیں

سپہ سالار- (راجا کو دیکھ کر) شکار ہے تو بُری بلا لیکن حضور کو اس سے صریحًا فائدہ ہوا ہے۔
کمان کی ڈوری کھینچتے کھینچتے جسم کا اوپری حصّہ فولاد کی طرح سخت ہو گیا ہے۔ نہ دھوپ لگتی ہے اور نہ تھوڑی سی تھکاوٹ سے پسینہ ہی آتا ہے۔ دوڑ دھوپ سے کچھ

---

[1] مسخرے عمومًا برہمن ہوتے تھے اور برہمنوں کا پیٹو پن اس زمانے میں ضرب المثل تھا۔

دُبلے تو ہو گئے لیکن اس ڈیل ڈول پر کیا پتا چلتا ہے۔
(قریب آکر)۔ مہاراج کی جے ہو۔ اب تو ہانکا شروع ہو چکا، آپ کو چلنا چاہیئے۔

راجا۔ کیا کہوں۔ مادھو نے شکار کی اتنی بُرائی کی کہ میرا جی اُچٹ گیا

سپہ سالار۔ (مادھو کے کان میں)۔ یار، تو اپنی بات پر اڑے رہیو اور میں مالک کی سی کہوں گا۔
(بآواز)، سرکار، اِس بھانڈ کو بکنے دیجئے۔ اس فن کو آپ سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے۔ جسم ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے، چربی چھنٹ جاتی ہے اور جانوروں کو اس خوف و ہراس کی حالت میں دیکھنے کا موقع کب ملتا ہے۔ پھر بھاگتی ہوئی چیزوں پر نشانا لگانا تو تیر اندازی کا کمال ہے۔ جو شکار کو بیکار مشغلہ بتلاتے ہیں وہ جھک مارتے ہیں۔

مادھو۔ (جھنجھلا کر)۔ اجی رکھیئے اپنا بڑبول۔ سرکار اب آپ کی باتوں میں نہیں آتے۔ اور آپ بھی اپنی خیر منائیے۔ کسی کھوسٹ بھالو نے آپ کی چپنی کی ناک پکڑ لی تو چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔

راجا۔ اچھے سردار! آشرم کے پڑوس کا واسطہ ہے، اس لئے

میں تمھارے مشورے پر عمل نہیں کر سکتا۔

اِس لیے آج تو بھینسوں کو تالاب کے پانی میں ڈبکی لگانے دو اور اسے سینگوں سے اُچھالنے دو۔ ہرنوں کو گھنی چھاؤں میں سبھا رچانے دو اور اُتھلی جھیلوں میں جنگلی سؤروں کو بے کھٹکے گڑھے کھودنے دو۔ ہماری کمان کو بھی آرام لینے دو، اس کی ڈور کو بھی ڈھیل لینے دو۔

سپہ سالار۔ بجا ارشاد حضور۔

راجا۔ جو ہانکا کرنے والے آگے جا چکے ہیں اُنھیں واپس بُلا لو۔ سپاہیوں کو سمجھا دو کہ تپ بن کی شانتی کا خیال رکھیں۔ سُن رکھو کہ جوگی امن پسند تو ہوتے ہیں لیکن اُن میں ایسی طاقتیں چھپی ہوتی ہیں جو آگ کی طرح جلا کر خاک کر دیں جیسے سورج من، چھونے میں برف لیکن رگڑ لگے تو انگارا۔

سپہ سالار۔ بہت خوب۔

مادھو۔ بھاڑ میں جائے شکار۔

(سپہ سالار جاتا ہے)

راجا۔ (بھیلوں سے مخاطب ہو کر)۔ جاؤ شکار کا لباس اُتار ڈالو۔ چوب دار، تمھیں اپنی جگہ پر رہنا ہے۔

بھیلنیں۔ جو حکم سرکار (چلی جاتی ہیں)

مادھو۔ اب تو یہاں کوئی مکھی بھی نہ رہی۔ آیئے اس چٹان پر بیٹھیں جس پر چھانو نے شامیانہ سا تان دیا ہے۔ میں بھی کمر سیدھی کر لوں گا۔

راجا۔ آگے تم ہی چلو۔

مادھو۔ اچھا۔ (دونوں اُس جگہ جاکر بیٹھ جاتے ہیں)۔

راجا۔ مادھو، تمھاری نگاہ کا کچھ حاصل نہیں۔ کیونکہ جو دیکھنے کی چیز ہے اس کا تم نے نظارہ نہیں کیا۔

مادھو۔ واہ، آپ کی چھب دِن رات میری آنکھوں کے آگے رہتی ہے۔

راجا۔ ارے، اپنوں کو تو سب اچھا جانتے ہیں۔ میں تو شکنتلا کا ذِکر کر رہا ہوں جو اِس آشرم کا ہیرا ہے۔

مادھو۔ (خود)۔ آئے رنگ پر۔ لیکن میں ڈھیل ہی نہ دوں۔ (باآواز) ...... معلوم یہ ہوا کہ آپ ایک سادھو کی لڑکی پر لوٹ ہیں۔

راجا۔ بھائی! بڑوں کی اولاد کا دل کسی ایسی ویسی پر نہیں آتا۔ جیسے چمیلی کا غنچہ مدار کی ڈال پر گرے، بس ویسے ہی یہ

رشی کماری جو در اصل پری زاد ہے، کنور رشی کو پڑی ہوئی مل گئی۔

مادھو۔ (ہنس کر) اوہو! رانیوں کو چھوڑ کر دل پھنسا بھی تو کہاں، اماں، کھجور سے اُکتا کر املی پر تو نہ آئے ہوتے۔

راجا۔ اگر تم اسے ایک بار دیکھ لو تو ایسی بکواس نہ کرو۔

مادھو۔ جو آپ کو بھائے، اس کے چت چور ہونے میں کس کافر کو شک ہو سکتا ہے۔

راجا۔ زیادہ کیا کہوں۔

خالق کی قدرت اور شکنتلا کے حسن کو دیکھتے ہوئے یہی کہنا پڑتا ہے کہ پہلے اس کی تصویر بنائے بغیر خدا کی بھی جرأت نہ ہوئی ہوگی کہ اس کے پیکر میں رُوح پھونکے اور تصویر میں دُنیا کی تمام خوب صورت چیزوں کی جھلک ڈال کر پھر کہیں یہ دوسری لچھمی[1] بنائی گئی ہوگی۔

مادھو۔ سیدھے سادے الفاظ میں یوں کہیے کہ سارے جہان کے حسین اس کے آگے اب پانی بھرا کریں گے۔

راجا۔ یہی سمجھ لو۔

اس کا معصوم جمال ایک ایسا پھول ہے جسے اب تک کسی

---

[1] پُرانک تلمیحات۔ ۳

نے نہیں سونگھا، ایسی نئی کوپل ہے جو ابھی ڈنٹھل سے نہیں توڑی گئی، ایسا موتی جو ابھی ہار میں نہیں پرویا گیا، ایسا شہد ہے جو ابھی نہیں چکھا گیا، عصمت کا چاند جس میں کوئی داغ نہیں پڑا۔

معلوم نہیں بھگوان نے یہ نعمت کس کے نام لکھی ہے۔

مادھو۔ للہ، اس غریب کو نجات دلائیے۔ اگر بے چاری کسی گنجے یا کن پھٹے سادھو کے ہتے چڑھ گئی تو کیا ہوگا۔

راجا۔ یار! وہ پرائے بس میں ہے اور اس کا باپ پردیس میں ہے۔

مادھو۔ یہ تو بتلائیے کہ اس کی چتونوں نے آپ سے کیا کہا؟

راجا۔ رشی کماری فطرتاً شرمیلی ہوتی ہے۔

اس نے بانداز دگر دیکھا تھا کہ مجھے سامنے پاکر اس کی نگاہ لوٹ گئی۔ اس نے مسکرایا بھی تھا لیکن اس طریقے سے گویا تبسم کی وجہ اور ہی کچھ تھی۔ حیا اس حد تک پردہ داری کر گئی کہ اس کی محبت کھلتے کھلتے چھپ گئی۔

مادھو۔ آپ اور چاہتے کیا تھے؟ وہ آپ کی گود میں اُچک کر بیٹھنے سے رہی۔

راجا۔ لیکن جدائی کے وقت لاکھ ضبط کرنے پر بھی اس کے

جذبات ظاہر ہو ہی گئے۔ یہ اس طرح کہ گو وہاں کانٹوں کا نام نہ تھا لیکن تھوڑی دُور جا کر وہ ٹھٹک گئی، اور کہنے لگی، ہائے میرے پانو میں کانٹا چبھ گیا۔ حالانکہ اس کا دامن کسی جھاڑی میں نہیں اٹکا، پھر بھی اُسے سُلجھانے کے بہانے وہ مُنہ پھیر کر رُک گئی۔

مادھو۔ پھر کیا کہتے ہیں! آؤ یہیں جھونپڑی ڈال لیں اور جنگل میں منگل منائیں۔

راجا۔ بھائی، کئی سادھوؤں نے مجھے پہچان بھی لیا ہے۔ اب میں اس دُبدھا میں ہوں کہ دوبارہ آشرم میں جاؤں تو کس ترکیب سے جاؤں۔

مادھو۔ راجاؤں کے لیے ترکیب کی کیا کمی۔ وہاں پہنچ کر للکاریے کہ لاؤ فصل کا چھٹا حصّہ[۱]۔

راجا۔ ابے شیخ چلّی! سادھوؤں کا خراج سونے روپے کے انبار سے زیادہ بیش قیمت ہوتا ہے۔ مال خزانے مٹی میں مل جائیں گے۔ لیکن ان کی عبادت کا چھٹا حصّہ جو ہمارے حصّے میں آتا ہے، غیر فانی اور جاودانی ہے۔

---

[۱] پرانک تلمیحات۔ ۴

(پس پردہ)۔ اسے لو، ہم اپنی منزل کو پہنچ گئے۔

راجا۔ (کان لگا کر)۔ ایسی سنجیدہ آواز سادھوؤں کی ہوتی ہے۔

چوب دار۔ (اندر آکر) حضور، دو چیلے دروازے پر کھڑے ہیں۔

راجا۔ انھیں لے آؤ۔

(چوب دار باہر جا کر انھیں ساتھ لاتا ہے)

چوب دار۔ نگاہ روبرو۔

ایک۔ (راجہ کو دیکھ کر۔ علیحدہ)۔ اس کی ذات اپنی تجلی کے باوجود کتنی من موہن ہے۔ مگر سچ پوچھو تو یہ روپ اس کے مرتبے کے مطابق ہے۔ کیونکہ یہ بھی تو رشیوں کی منڈلی میں شامل ہے۔ اس چھتری کو رشی نہ کہوگے تو کیا کہوگے جو ایک ایسے آشرم میں بلا تکلف ٹھیر گیا ہو جس کے دروازے ہر کس و ناکس کے لیے کھلے رہتے ہیں۔ رعایا پروری بھی عبادت گزاری کی ایک قسم ہی ہے۔ دو بھاٹ اس کے ضبطِ نفس اور جہانگیری کا قصیدہ صبح و شام پڑھا کرتے ہیں۔ جس کی گونج آکاش تک پہنچتی ہے۔ اسی لیے اسے 'رشی' کا لقب حاصل ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اس سے پہلے 'راج' کی صفت لگی ہوئی ہے۔

دوسرا۔ گوتم، کیا یہی وہ نام دار دشنیت ہے جو اندر کا یار غار ہے۔
پہلا - اور نہیں تو کیا؟
دوسرا۔ تبھی تو یہ جس کے بازو شہر پناہ کے ستونوں کی طرح
ہیں، تنِ تنہا اس وسیع دنیا پر راج کرتا ہے جس کی حدبندی
نیل گوں ردائے آب کر رہی ہے۔ تبھی تو دیوتا اپنے بیریوں
کو میدانِ جنگ میں اُس وقت شکست دے سکتے ہیں
جب ان کی مدد کے لیے اندر کے کوندے کی لپک کے
ساتھ دُشنیت کی کمان کی کڑک بھی شامل ہو۔
دونوں۔ (قریب پہنچ کر) مہاراج کی جے ہو۔
راجا۔ (اُٹھ کر) ڈنڈوت کرتا ہوں۔
دونوں۔ (پھول نذر کر کے) بھگوان آپ کا بھلا کریں۔
راجا۔ (نذر لے کر پھر سلام کرتا ہے) میرے لائق کوئی خدمت؟
ایک چیلا۔ آشرم والوں کو جب معلوم ہوا کہ آپ کا ڈیرا
آجکل یہیں ہے۔
راجا۔ تو انھوں نے کیا حکم دیا۔
چیلا۔ انھوں نے یہ بنتی کی ہے کہ ہمارے گرو کو سفر میں پا کر
راکشسوں کو موقع مل گیا تو کہ ہَوَن میں حائل ہوں۔ اگر

آپ اپنے رتھ بان کے ساتھ اس آشرم کو چندے نوازیں
تو یہ بلا ٹل جائے۔

راجا۔ بسر و چشم۔

مادھو۔ (اشارہ کرکے)۔ لو، سیّاں بھئے کوتوال!

راجا۔ (مسکرا کر)۔ چوب دار، رتھ بان سے کہو کہ تیر کمان اور
رتھ لے کر حاضر ہو۔

چوب دار۔ بہت خوب (باہر جاتا ہے)

دونوں چیلے۔ (خوش ہو کر)۔ مہاراج! آپ کا بول بالا ہو۔ آپ
اپنے پُرکھوں کی ریت پر چلتے ہیں۔ پُرو کا ہر نام لیوا کمزوروں
کی حفاظت کا بیڑا اُٹھاتا ہے۔

راجا۔ (ہاتھ جوڑ کر) آپ چلیں۔ میں فوراً آپ کے پیچھے پیچھے آتا ہوں

دونوں۔ بھگوان آپ کو ہمیشہ کامرانی کا مُنہ دکھائیں۔

(چلے جاتے ہیں)

راجا۔ مادھو، شکنتلا کو دیکھنا چاہتے ہو؟

مادھو۔ پہلے تو میں دیدار کے اشتیاق میں باؤلا ہو رہا تھا۔
لیکن راکشسوں کی خبر نے سارا مزہ کرکرا کر دیا۔

راجا۔ ڈرو نہیں، تم تو میرے ساتھ رہوگے۔

مادھو۔ پھر یہ بھڑ دے میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔

چوب دار۔ (اندر آکر)۔ رتھ حضور کے حکم کا منتظر ہے۔ لیکن راج دھانی سے ایک ہرکارا راج ماتا کا خط لیے ابھی آیا ہے۔

راجا۔ (اشتیاق سے)۔ کیا وہ امّی جان کا سندیسہ لایا ہے؟

چوب دار۔ جی ہاں، مہاراج۔

راجا۔ اُسے فوراً بلا لاؤ۔

(چوب دار باہر جاتا ہے اور ہرکارے کو ساتھ لے آتا ہے)

ہرکارا۔ مہاراج کی جے ہو۔
راج ماتا نے یہ سندیسہ بھیجا ہے کہ آج سے چوتھے دن ایک تقریب آرہی ہے جس میں آپ کی حاضری نہایت ضروری ہے۔

راجا۔ (سوچتے ہوئے)۔ اِدھر سادھوؤں کا کام، اُدھر امّی جان کا فرمان دونوں میں سے کسی کو ٹالا نہیں جا سکتا۔ اب کیا کیا جائے۔

مادھو۔ میری مانیے تو نہ یہ کیجیے نہ وہ کیجیے۔

راجا۔ مذاق نہیں، میں دراصل دُبدھا میں پھنس گیا۔ دو دو جگہوں میں ایک وقت پر دو کام کرتے ہیں۔ اِس خیال نے میرے

ارادے کو بھی دو حصّوں میں بانٹ دیا ہے۔ جیسے ندی کا
دھارا کسی چٹان سے ٹکرا کر پھٹ جائے۔
(کچھ سوچ کر) مادھو، اماں نے تمھیں اپنا منہ بولا بیٹا
بنایا ہے یا نہیں؟ تمھیں چاہیئے کہ میرے بدلے خود اُن
کی خدمت میں جاؤ اور میری مصروفیت کا سبب بتلا کر
سپوتوں کی طرح سب کام کاج کرو۔
مادھو۔ کہیں آپ یہ تو نہ سمجھ بیٹھے کہ میں راکشسوں سے ڈر گیا؟
راجا۔ (ہنس کر)۔ توبہ کرو! تمھیں میں ایسا بودا سمجھنے لگا؟
مادھو۔ مجھے اس ٹھاٹ سے جانا چاہیے جو راجا کے چھوٹے
بھائی کے لائق ہو۔
راجا۔ میں سارا لاؤ لشکر تمھارے ساتھ کر دوں گا، ورنہ آشرم
کی شانتی میں خلل ہوگا۔
مادھو۔ واہ، پھر تو سب مجھے راج کمار سمجھنے لگیں گے۔
راجا۔ (خود)۔ یہ کمبخت ہے بڑا باتونی۔ کہیں رنواس میں میری
نئی محبّت کا بھانڈا نہ پھوڑ دے، ابھی سے پیش بندی کر دوں۔
(مادھو کا ہاتھ تھام کر)۔ یار، میں تو محض سادھوؤں
کے خیال سے آشرم میں ٹھیر رہا ہوں۔ ورنہ مجھے سادھو کی

بیٹی سے کیا دل چسپی ہو سکتی ہے۔ سوچو تو سہی کہاں ہم اور
کہاں یہ لڑکی جو ہرنیوں اور پنچھیوں میں پلی بڑھی ہے۔
یہ بے چاری عشق کے رمزوں کو کیا سمجھے۔
میں اس لیے کہتا ہوں کہ کہیں دل لگی کو سچ نہ سمجھ بیٹھنا۔
مادھو۔ جی نہیں، آپ کہتے ہیں تو ٹھیک ہی ہے۔

(سب جاتے ہیں)

ڈراپ

تیسرا ایکٹ

مقام ——— تپ بن

تمہیدی منظر

(قربان گاہ میں بچھائی جانے والی گھاس[1] کا پولا لیے ہوئے ایک چیلا آتا ہے)

چیلا - راجا دشینت کی عظمت کا بھی کچھ ٹھکانا ہے - اُن کے آشرم میں قدم رکھتے ہی ہمارے دھرم کاج نخنت ہو گئے - اور اُن کی تیر اندازی کے کیا کہنے! اُن کی کمان کی ایک کشش تمام بلاؤں کو دور کرنے کے لیے کافی ہے -

اب میں یہ گھاس پجاری کو دے آؤں تو وہ اُسے قربان گاہ میں بچھا دیگا - (کچھ دیکھ کر کسی غائب شخص کو مخاطب کر کے)

پریمودا، یہ صندل کا لیپ اور کنول کی پتیاں کس کے لیے

---

[1] اس گھاس کا نام "کش" ہوتا تھا اور یہ مقدس سمجھی جاتی تھی -

لے جا رہی ہو؟

(کان پر ہاتھ لگا کر) کیا کہا؟ لو لگنے سے شکنتلا کے دشمنوں کا مزاج خراب ہو گیا اور یہ اس کے بدن پر رکھنے کے لیے ہیں؟ پریموداا اس کی تیمار داری ہوشیاری سے کرنا۔ وہ ہمارے گرو جی کی زندگی کا سہارا ہے۔ میں بھی پانی دم کر کے بھجواتا ہوں

(چلا جاتا ہے)

تمہید ختم

(راجا۔ ایسی حالت میں آتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عشق زدہ ہے)

راجا۔ (خود)۔ میں جپ تپ کے بل کو خوب جانتا ہوں۔ یہ بھی سمجھتا ہوں کہ وہ پرائے بس ہے۔ لیکن کیا کروں کہ دل اس کے خیال سے باز نہیں آتا۔

کام دیو، تمہارے پھولوں کے تیر اور چاند کی کرنیں دیکھنے میں تسلی بخش ہیں لیکن ان کے چھل کو کوئی مجھ جیسے پریمیوں سے پوچھے مجھے چاند کی خنک کرنیں اور تمہارے پھولوں کے تیر، دونوں ہی ٹھوکتے معلوم ہوتے ہیں۔ گویا چاند آگ برساتا ہے اور تمہارے پھول سنگ باری کرتے ہیں۔

لیکن یہ درد محبت اگر اس جادو نظر کا دیا ہوا ہے تو میں

لذتِ حیات ہے۔

(ٹہلتے ہوئے ٹھنڈی سانس بھر کر) جب رسمیں ختم ہو جائیں گی اور پجاریوں کو میری ضرورت نہ رہے گی تو میں دکھیا کہاں جاؤں گا۔

اس کے دیدار کے علاوہ اس بے قراری کا کوئی علاج نہیں چلوں، اس کی تلاش کروں۔

(سورج کی طرف دیکھ کر) اس گرمی دھوپ میں شکنتلا اپنی سکھیوں کے ساتھ اکثر ندی کنارے ہوتی ہے، اس جگہ جہاں بیلوں نے گھنے کنج بنا دیئے ہیں۔ وہیں چلنا چاہیئے۔

(اِدھر اُدھر ٹہلتے ہوئے)۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ سیم تن ابھی ان ننھے پودوں کے جھنڈ سے ہو کر گزری ہے۔ جن ڈنٹھلوں سے پھول توڑے گئے ہیں ان کے گھاؤ ابھی ہرے ہیں اور جہاں سے پتیاں توڑی گئی ہیں ان کی کوروں پر اب بھی دودھ کی بوندیں چھلک رہی ہیں۔

(ہوا کے جھونکے کھا کر)

یہ جھاڑی مستانہ ہواؤں میں بسی ہوئی ہے۔ آتشِ محبت سے جھلسے ہوئے جسم کو یہ جھونکے تھپکیاں دیتے ہیں جو کنول کی مہک

میں بسے ہوئے ہیں اور ندی کی لہروں میں نہا کر ادھر آرہے ہیں
(ٹہلتے ہوئے)۔ بیدوں سے گھرے ہوئے بیلوں کے اسی کنج
میں شکنتلا ہوگی۔ کیونکہ اس کے مہانہ پر پھیلی ہوئی بھیگی ریت
پر وہ نقش قدم ابھرے ہوئے ہیں جو پنجوں کی طرف پھچھلے
ہیں لیکن سرینوں کے بوجھل پن کی وجہ سے ایڑی کی طرف
گہرے ہیں۔

ڈالیوں کی جالی سے جھانک کر دیکھوں تو سہی۔
(ادھر جا کر جھانکتے ہوئے) وہاں ہے میری آنکھوں کی راحت،
میری آرام جان ایک چٹان پر پھولوں کی سیج بچھائے لیٹی ہوئی ہے۔
اور سکھیاں سیوا کر رہی ہیں۔ (ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگتا ہے)
(شکنتلا اپنی سکھیوں کے ساتھ اسی حال میں نظر آتی ہے)

سکھیاں۔ (پنکھا جھلتے ہوئے، لجاجت سے)۔ پیاری شکنتلا، کنول کی پنکھڑیوں کی ہوا سے تمہیں کچھ آرام تو ہے؟

شکنتلا۔ بہنو، کیا تم میرے لیے پنکھا جھل رہی ہو؟

(سکھیاں حیرت زدہ ہو کر مایوسی سے ایک دوسری کی صورت دیکھنے لگتی ہیں)

راجا۔ (خود) شکنتلا کی طبیعت ناساز معلوم ہوتی ہے۔ یہ گرمی کے

سبب سے ہے یا اس کی وجہ وہ ہے جو میرا دل کہ رہا ہے۔
(حسرت سے دیکھ کر)۔ چھوڑو اس وسوسے کو۔

جانِ من کا کمھلایا ہوا بدن، جوبنوں پر صندل کے لیپ اور کنول کے ڈنٹھل کی ڈھیلی ڈھالی پہنچی کے ساتھ کتنا دل فریب معلوم ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ کنواری پر گرمی اور محبّت کا اثر ایک سا ہوتا ہے۔ لیکن سورج کی تپش یہ حسین کیفیت پیدا نہیں کرسکتی۔

پرمودا۔ (علیحدہ)۔ انسویا، اس راجا کو پہلی نظر دیکھتے ہی شکنتلا یوں نڈھال ہوگئی۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ روگ اسی کا دیا ہوا ہو؟

انسویا۔ بہن مجھے بھی تو اسی کا کھٹکا ہے۔ پوچھوں تو سہی۔
(شکنتلا کو مخاطب کرکے)۔ اچھی، ایک بات پوچھوں؟ برا تو نہ مانوگی تمھارا دکھ نگوڑی آنکھوں سے دیکھا نہیں جاتا۔

شکنتلا۔ (کہنی کے بل اٹھ کر)، پیاری کیا پوچھنا چاہتی ہو؟

انسویا۔ سکھی، عشق وشق کے معاملے میں تو ہم نپٹ انیلی ہیں۔ لیکن کتابوں میں عشق کے ماروں کا جو حال پڑھا ہے، وہی حال تمھارا دیکھتی ہوں۔ تمھیں بتانا ہی ہوگا کہ اس روگ کا کارن کیا ہے۔ جب تک موئے روگ کا مرم نہ معلوم ہو، علاج کیا خاک کیا جائے۔

راجا۔ (خود) اوہو، انسویا کو بھی وہی شبہ ہے جو مجھے۔ پھر تو یہ طے ہو چکا کہ میرا خیال مجھے فریب نہیں دے رہا ہے۔

شکنتلا۔ (خود) اس بھید کو کیسے چھپاؤں۔ کھُل کر تو اُن سے بھی نہیں کہا جاتا۔

پریمودا۔ شکنتلا! اُس کا کہنا ٹھیک ہے۔ تم اپنے دُکھ کا علاج کیوں نہیں کرتیں۔ روز بروز پھیکی پڑتی جاتی ہو۔ بس ایک روپ کی جوت ہے جو اب تک جوں کی توں ہے۔

راجا۔ (خود) پریمودا کا بیان بالکل صحیح ہے۔ اس کے گال پچک گئے ہیں، جوبنوں کا تناؤ ڈھیلا پڑ گیا ہے۔ کمر نازک تر ہو گئی ہے، کاندھے ڈھل گئے ہیں اور رنگ پیلا پڑ گیا ہے۔ محبت نے کیا کیا کہ اس بیچاری کو دیکھ کر پیار آتا ہے اور ترس بھی۔ جیسے لُو کا جھونکا چمیلی کی بیل کو جھلسا دے۔

شکنتلا۔ سکھیو! دردِ دل تمہیں نہیں تو اور کسے سُناؤں گی۔ لیکن میرے چلتوں تمہیں ناحق پریشانی ہی ہو گی۔

دونوں۔ اسی لیئے تو ہمارا اصرار ہے۔ غم اگر اپنوں میں بنٹ جائے تو دوبھر نہیں رہتا۔

راجا۔ (خود) غم گساروں نے پوچھا ہے تو اب وہ اپنے دِل کا

راز سُناتے نہ جھجکے گی۔

وہ گھڑی کتنی کٹھن تھی جب اس نے لوٹ کر بار بار مجھے پیاسی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ لیکن یہ لمحہ اس سے بھی زیادہ جان لیوا ہے کیونکہ اُس کا جواب سُنتے مجھے ہول سا ہو رہا ہے۔

شکنتلا۔ جب سے ہمارے آشرم کے رکھوالے راجا نے ہمیں درشن دیئے ——— (اتنا کہہ کر شرما کر چپ ہو جاتی ہے)

دونوں۔ پیاری، چپ کیوں ہو گئیں، کچھ تو کہو۔

شکنتلا۔ اس دن سے مجھے بس اُسی کا دھیان ہے اور اب یہ حال ہو گیا ہے۔

راجا۔ (فرطِ مسرت میں۔ خود) کانوں نے یہ جاں نواز مژدہ سُن لیا۔ عشق نے درد دیا اور پھر اس کا مداوا بھی دیا۔ جیسے ساون کا دن پہلے گھمس سے بے کل کرتا ہے اور پھر کالی گھٹا لا کر چین بھی پہنچاتا ہے۔

شکنتلا۔ اگر جی چاہے تو کچھ ایسا جتن کرو کہ اس راجا کا التفات مجھ پر ہو جائے۔ یہ نہیں تو پھر میری زندگی کی آس چھوڑ دو۔

راجا۔ (خود) اس نے ایسی دو ٹوک بات کہہ دی کہ اگر مگر کی جگہ ہی نہیں رہی۔

پریمودا۔ (علیحدہ)۔ انسویا، یہ پریم میں ایسی باؤلی ہوئی جارہی ہے کہ انتظار کی تاب نہیں لا سکتی۔ یہ بھی دیکھو کہ اُس کا دل جس پر آیا ہے وہ کوئی ایسا ویسا نہیں بلکہ پُرو بنس کا پانی دیوا ہے۔ مجھے تو اس میں کوئی بُرائی نظر نہیں آتی۔

انسویا۔ مجھے بھی تم سے اتفاق ہے۔

پریمودا۔ (بآواز) سکھی، تمہارا انتخاب تمہاری شان کے شایاں ہے۔ دریا سمندر کے سوا اور بھی کسی کے آغوش میں جاتا ہے؟ اگر یہ بیل اس آم سے دل لگائے تو حیرت ہی کیا ہے؟

راجا۔ (خود)۔ اگر زہرہ اور مشتری چاند کی لیک پر گھومتے رہیں تو عجب کا مقام نہیں۔

انسویا۔ بھگوان کا کرنا ایسا ہو جائے کہ شکنتلا کے من کی مُراد فوراً برآئے اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو۔

پریمودا۔ جہاں تک جلدی کا سوال ہے۔ کوئی دقت نہیں لیکن پوشیدگی کا معاملہ ٹیڑھا ہے۔

انسویا۔ صاف کہو۔

پریمودا۔ وہ راجا صاحب جو ہماری سہیلی کی طرف حسرت بھری نظروں سے تاکتے رہے تھے، خود بھی تو تارے گنتے

سوکھ کر کانٹا ہوئے جا رہے ہیں۔

راجا۔ (خود) حقیقت بھی یہی ہے۔

کندن کا یہ کنگن ڈھیلا ہو کر باہنوں سے پھسلتا ہے تو میں بار بار اسے اوپر چڑھاتا ہوں اور ان گھٹّوں کو چھلنے سے بچاتا ہوں جو کمان کی ڈور کی وجہ سے میری کلائی پر پڑ گئے ہیں۔ اس کنگن کے رتنوں کی جوت ماند پڑ گئی ہے۔ کیونکہ جب میں باہنوں پر ہاتھ رکھ کر لیٹتا ہوں تو رات بھر میرے آنسو ان پر ٹپکا کرتے ہیں اور یہ آنسو سوزِ دروں کی وجہ سے گرم ہو جاتے ہیں۔

پریمودا۔ (سوچ کر)۔ اری، اسے ایک پریم پاتی کیوں نہ لکھیں۔ اسے پھولوں میں چھپا کر اس بہانے سے بھجوا دوں گی کہ یہ ہار دیوتاؤں کے چڑھاوے کا ہے۔

انسویا۔ یہ سجل ترکیب میرے من کو بھی بھائی۔ شکنتلا، تمہاری کیا رائے ہے؟

شکنتلا۔ بھلا میں تمہارے کہے سے باہر ہوں۔

پریمودا۔ تو پھر کسی چبھتے ہوئے گیت میں آپ بیتی کہہ ڈالو۔

شکنتلا۔ فکر کرتی ہوں۔ لیکن مجھے اس کا دھڑکا ہے کہ کہیں وہ اُسے لوٹا نہ دے۔

راجا۔ (خود) نادان! تجھے جس کی بے التفاتی کا ڈر ہے جانتی ہے
کہ وہ تیرے وصل کے لیئے کتنا بے تاب ہے؟ سائل کو دولت
نہ ملے تو عجب نہیں، لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ دولت کو سائل نہ ملے۔
سکھیاں۔ خاکم بدہن! کوئی آپ اپنے گنوں پر یوں پانی پھیرتا ہے۔
کوئی ایسا بھی ہے جو تن سکھ چاندنی سے بچنے کے لئے اپنا
دامن سکوڑتا ہے؟
شکنتلا۔ اچھا تو لو، میں تمہارا کہا کرتی ہوں۔
(بیٹھ کر سوچنے لگتی ہے)
راجا۔ (خود) میرے یہ نصیب کہ اپنی جانِ جاں کو جی بھر کر دیکھوں!۔
اب جو وہ ایک بھوں کو خم دے کر گیت لکھنے میں مگن
ہے تو اس کے گالوں کے کھڑے ہوئے روئیں زبانِ حال
سے اس کی محبّت کا اظہار کر رہے ہیں۔
شکنتلا۔ سکھیو، پاتی کا مضمون تو میں نے سوچ لیا، لیکن لکھنے کا
کوئی سامان نہیں ہے۔
پریمودا۔ یہ کنول کا پتّا جو دیکھنے میں توتے کی چھاتی کی طرح صاف
ہے۔ اسی پر اپنے ناخن سے لکھ دو۔
شکنتلا۔ (اسی طرح لکھتے ہوئے)۔ بہنو، غور سے سنو اور پھر بتاؤ

کہ مطلب ادا ہُوا یا نہیں۔

دونوں۔ہم کان لگا کر سُن رہی ہیں۔

شکنتلا۔(پڑھتی ہے) تیرا حالِ دل میں کیا جانوں۔لیکن او بے درد! میں تو اپنا دل تجھے دے بیٹھی اور اب کام دیو دِن رات مجھے آتشِ فرقت میں تپایا کرتا ہے۔

راجا۔(جھٹ اُن کے سامنے آکر) او سروِ ناز، تجھے تو کام دیو صرف تپاتا ہے لیکن مجھے وہ سچ مچ میں جلایا کرتا ہے۔دِن کا اُجالا جل سوسن کو اُس حد تک نہیں کمھلاتا جس حد تک چاند کو۔[1]

سکھیاں۔(اُسے دیکھتے ہی خوشی کے مارے اُچھل کر)۔مرحبا! ہماری مُراد کے بر آنے میں دیر نہ لگی۔

(شکنتلا اُٹھنے کی کوشش کرتی ہے)

راجا۔رہنے بھی دیجئے، اس کی کیا ضرورت ہے۔آپ کا بیمار بدن کسی مزید تکلیف کا بار برداشت نہیں کر سکتا۔دیکھیئے سیج کے

---

[1] ہندو شاعری کا ایک مرغوب موضوع سورج اور کنول، اور جل سوسن اور چاند کی محبت ہے۔کہتے ہیں کہ کنول آمد آفتاب کے ساتھ ساتھ کِھلتا اور غروب آفتاب کے ساتھ منہ بند ہو جاتا ہے۔اسی طرح جل سوسن چاند کے ساتھ کِھلتا اور کمھلاتا ہے۔اس اعتبار سے انھیں عاشق اور معشوق باندھتے ہیں۔

پھولوں کی پنکھڑیاں اس سے چپک گئی ہیں اور کنول کے ڈنٹھل کی پہنچی بھی مسل گئی ہے۔

النسویا۔ مہربان آئیے، اسی چٹان پر بیٹھ جائیے۔

راجا بیٹھ جاتا ہے۔ شکنتلا دفورِ حیا سے عرق عرق ہوئی جارہی ہے

پریمودا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ آپ دونوں ایک دوسرے پر سو جان سے فدا ہیں تاہم، اپنی سکھی کی خاطر مجھے ایک بات کہنی پڑتی ہے۔

راجا۔ بہن جی، اسے کہنے سے نہ چوکیے۔ دل جو کہنا چاہتا ہے، اگر وہ بے کہا رہ جائے تو ملال رہ جاتا ہے۔

پریمودا۔ راجا کا دھرم ہے کہ پرجا میں کسی کو دُکھ درد ہو تو اس کی مشکل کشائی کرے۔

راجا۔ اس میں کیا شک ہے۔

پریمودا۔ ہماری پیاری سکھی آپ کے پریم کی ماری ہوئی ہے، آپ کو چاہیئے کہ اسے جان کی امان دیں۔

راجا۔ مگر یہی التجا میں ان سے بھی کرتا ہوں۔ دونوں کا ثواب انھیں ملیگا۔

شکنتلا۔ (پریمودا کی طرف دیکھ کر) لالی، تم ان سے بیجا اصرار کیوں کرتی ہو۔ یہ بیچارے تو حرم والیوں کی فرقت میں گھلے جارہے ہیں۔

راجا۔ اگر میرے من مندر کی دیوی مجھے کسی اور کا سمجھنے لگے تو پھر

میرے لیئے ٹھکانا کہاں رہا عشق کے تیر کا جو پہلے سے گھائل ہو
اس کے زخموں پر نمک کیوں چھڑکا جا رہا ہے۔

انسویا۔ بھائی، سب جانتے ہیں کہ راجاؤں کی کئی کئی رانیاں ہوتی ہیں
اس لیئے تم اس طرح نباہنا کہ ہماری سکھی کے عزیزوں کو بعد میں
پشیمانی نہ ہو۔

راجا۔ زیادہ کیا کہوں۔ رانیاں بہت ہیں لیکن میرے گھرانے کا سہارا
صرف دو پر ہوگا۔ ایک تو دھرتی رانی[1] پر اور پھر تمہاری اس سہیلی پر۔

سکھیاں۔ اب ہمیں بالکل اطمینان ہوگیا۔

پریموداؔ۔ (اِدھر اُدھر دیکھتی ہوئی) ۔ انسویا، یہ ہرن کا چھینا جس
حیرانی سے ہماری طرف تک رہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے
کہ وہ اپنی ماں کی تلاش میں بھٹک رہا ہے۔ آؤ، اس موئے کو
اس کی ماں کے پاس پہنچا دیں۔ (دونوں جانے لگتی ہیں)

شکنتلا۔ بہنو، مجھ دکھیا کو کس کے بھروسے چھوڑے جاتی ہو۔ لِلّٰہ
دونوں میں سے ایک یہیں رہو۔

سکھیاں۔ اے ہے! یہ جو جگت پالن ہار تمہارے پاس بیٹھے
ہوئے ہیں! (چلی جاتی ہیں)

---

[1] سنسکرت کے شاعر دھرتی کو راجا کی رانی کہتے ہیں۔

شکنتلا۔ کیا واقعی دونوں چلی گئیں؟

راجا۔ لیکن پریشانی کی کیا بات ہے۔ تمہاری خدمت کے لئے یہ غلام موجود ہے۔ کہو تو کنول کا یہ پانی میں بھیگا ہوا پنکھا جھل دوں۔ اس سے پسینہ سوکھ جائے گا۔ یا کہو تو مہاور لگے ہوئے ان پیروں کو گود میں لے کر ہولے ہولے دبا دوں۔

شکنتلا۔ توبہ کیجئے! میں نگوڑی ایسی ہو گئی جو بڑوں سے اپنی خدمت لوں۔ (اٹھ کر جانا چاہتی ہے)

راجا۔ سُندری ابھی دھوپ تیز ہے اور تمہارا یہ حال ہے پھر پھولوں کی اس سیج کو چھوڑ کر جس کی پھول پتیاں تمہاری سینہ بندی کر رہی ہیں تم اس بھری دوپہریا میں کہاں جاؤ گی۔ سوچو تو دُکھ جھیل کر تم کتنی نڈھال ہو گئی ہو۔

(زبردستی روک لیتا ہے)

شکنتلا۔ راجا، یوں قابو سے باہر نہیں ہوتے۔ میں بھی کام دیو کی ستائی ہوئی ہوں لیکن کیا کروں کہ پرائے بس ہوں۔

راجا۔ تم بھی کتنی ڈرپوک ہو۔ بڑے بوڑھوں کا خوف کب تک! تمہارے بابا شاستروں سے واقف ہیں۔ تمہاری حالت کا علم ہونے کے بعد وہ تم پر کوئی تہمت نہ دھریں گے۔ پہلے بھی

بڑے بڑے رشی منیوں کی بیٹیوں نے اپنی مرضی سے گاندھرو[۱] بیاہ کر لیا۔ اور اُن کے ماں باپ نے بُرا نہ مانا۔

شکنتلا۔ میری کلائی چھوڑ دو۔ میں پہلے اپنی سکھیوں سے پوچھ لوں۔

راجا۔ گھبراؤ نہیں، چھوڑ دوں گا۔

شکنتلا۔ آخر کب؟

راجا۔ جیسے بھونرا گلِ تازہ کا مدھو گھونٹ گھونٹ کر کے پیتا ہے، اسی طرح میں تیرے اچھوتے ہونٹھوں کا رس ہولے ہولے پی لوں تو تجھے چھوڑ دوں گا۔

(اس کا منہ اوپر اٹھاتا ہے۔ شکنتلا روکتی ہے)

(پس پردہ)۔ اری او چکوی، اپنے پیتم سے رخصت ہولے کہ رات آ چلی[۲]۔

شکنتلا۔ (گھبرا کر) پیارے، غضب ہوا! گوتمی مائی میری مزاج پُرسی کے لئے یہیں آ رہی ہیں۔ تم اِن جھاڑیوں میں چھُپ جاؤ۔

---

[۱] گاندھرو بیاہ شادی کی کئی قسموں میں سے ایک ہے جس میں صرف میاں بیوی کی رضامندی کی ضرورت ہوتی ہے اور کسی گواہ کا ہونا بھی ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ شاستروں نے اس قسم کی شادی کو جائز بتایا ہے۔

[۲] شکنتلا کو سکھیوں کا اشارہ کہ کوئی آ رہا ہے۔ یوں ہندو، شاعر کا ایک خاص مضمون رات کے وقت چکور اور چکوری کی جُدائی ہے۔

راجا۔ بہت اچھا (چھپ جاتا ہے)

(ہاتھ میں کمنڈل لیے گوتمی شکنتلا کی سکھیوں کے ساتھ آتی ہے)

سکھیاں۔ ماں جی اِدھر۔

گوتمی۔ (شکنتلا کے پاس آکر)۔ میری دُلاری، جی اب کچھ ہلکا پڑا؟

شکنتلا۔ مائی، آپ کی دیا سے اب کچھ اچھی ہوں۔

گوتمی۔ کُش گھاس کا یہ پانی ہے۔ اس سے تجھے آرام ہو جائے گا۔
(سر پر پانی چھڑک کر)۔ بچی، اب جھٹ پٹے کا سمے ہے۔
کٹیا کو چلی چلو۔

(سب جانے لگتی ہیں)

شکنتلا۔ (خود) دلِ ناداں، جب دیوتا گھر بیٹھے آیا تھا تو تو، حیص بیص میں رہ گیا۔ اب اداس ہونے اور پچھتانے کا تجھے کیا حق ہے۔
(باآواز)۔ اے پیارے کنج، او آرام جاں! خدا حافظ۔ پھر کبھی تیری سنگت کا سُکھ لینا ہے۔

(حسرت کے ساتھ دوسروں کے پیچھے چلی جاتی ہے)

راجا۔ (اپنی پہلی جگہ پر آکر، آہ بھر کر)
ارمانوں کی تکمیل بھی کتنی شکیب طلب ہے۔ بڑی بڑی پلکوں والی وہ موہنی!

جب اپنے ہونٹھوں کو اس نے انگلیوں میں چھپا لیا اور ان ہونٹھوں سے حرف انکار کچھ نکلے اور کچھ مسوس کر رہ گئے تو اس کا مُکھڑا کتنا دل فریب ہو گیا تھا۔ اپنا مکھڑا وہ بار بار اِدھر اُدھر موڑ لیتی تھی اور جب لے دے کر میں نے اسے اوپر اُٹھایا بھی تو چومنے کا ہیاؤ نہ ہوا۔

اب میں کہاں جاؤں..... چلو، اسی کنج میں گھڑی بھر بیٹھوں جسے میرے محبوب نے اتنی دیر نوازا تھا۔

(چاروں طرف دیکھ کر)۔ یہ ہے چٹان پر پھولوں کی وہ سیج جسے اس نازک اندام نے مسلا تھا۔ یہ ہے کنول کی پنکھڑی کی مُرجھائی ہوئی پاتی جسے اس کے ناخونوں نے لکھا تھا۔ یہ ہے کنول کے ڈنٹھلوں کی پُہنچی جو اس کی کلائی سے گر پڑی تھی۔

حالانکہ اب یہاں سناٹا ہی سناٹا ہے، لیکن آنکھیں اس سے اتنی مانوس ہو گئیں کہ ہٹنے کو جی نہیں چاہتا۔

(دور سے ایک آواز)۔ مہاراج، شام کی پوجا ابھی شروع ہی ہوئی تھی کہ راکشش بھوت بن کر اور لال لال بادلوں کا سا روپ بھر کر قربان گاہ کی آگ کے آس پاس منڈلانے لگے اور طرح طرح سے ہمیں دق کرنے لگے۔

راجا۔ جوگیو، گھبراؤ نہیں، میں آ پہنچا۔

(جاتا ہے)

ڈراپ

چوتھا ایکٹ

مقام — کنو کا آشرم

تمہیدی منظر

(سکھیاں پھول توڑتی ہوئی آتی ہیں)

انسویا۔ پریمودا، شکنتلا کو من مانگا دولھا مل گیا اور دونوں میں گاندھرو ریت سے بیاہ بھی ہو گیا، اس خیال سے دل باغ باغ ہے۔ لیکن جانے کیوں، ایک بات کھٹکتی ہے۔

پریمودا۔ وہ کیا؟

انسویا۔ وہ یہ کہ آج قربانی ختم ہو گئی اور پجاریوں نے راجا کو جانے کی اجازت بھی دے دی۔ جب وہ اپنی نگری کو پہنچے گا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ رنواس کی رنگ رلیوں میں یہاں کی بیتی کو بھول جائے۔

پریمودا۔ چھوڑ دو بھی۔ ایسی بھولی بھالی صورت والے جلّاد بھی ہوتے ہیں۔ فکر تو اس کا ہے کہ جب کنّو بابا یہ قصّہ سنیں گے

تو کیا کہیں گے۔

انسویا۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ وہ اسے پسند کریں گے۔

پریمودا۔ یہ کیا ضرور ہے۔

انسویا۔ سب کے من کی چاہ یہی ہوتی ہے کہ اپنی بیٹی کا بیاہ کسی بڑے گنی سے کریں۔ اگر بھاگ سے گھر بیٹھے ایسا بر مل گیا تو گویا بنا جتن دل کی آرزو پوری ہوئی۔

پریمودا۔ (پھولوں کی ڈلیا کو دیکھ کر) پوجا کے لیئے اتنے پھول کافی ہوں گے یا نہیں۔

انسویا۔ شکنتلا کے بھاگ دیوتا پر بھی تو چڑھانے ہیں۔

پریمودا۔ ٹھیک کہتی ہو۔

(پسِ پردہ)۔ کوئی ہے، میں تمہارے گھر مہمان آیا ہوں۔

انسویا۔ (آواز سن کر) سکھی، یہ کسی مہمان کی پکار ہے۔

پریمودا۔ فکر نہ کرو، شکنتلا کٹیا میں ہے۔

(خود) لیکن آج اُس کا دِل کہیں اور رہے۔

انسویا۔ بھئی، اتنے پھول بہت ہیں۔

(جانے لگتی ہیں)

(پسِ پردہ)۔ او مہمانوں کی توہین کرنے والی! جس کے دھیان میں تو

ایسی ڈوبی ہوئی ہے کہ اس کی بھی سُدھ نہیں کہ مجھ جیسا تپشوی تیرے در پر کھڑا صدا دے رہا ہے۔ ایسا ہو کہ وہ تجھے یک سر بھول جائے اور یاد دلانے پر بھی نہ پہچان سکے جس طرح کوئی متوالا اپنے وعدے کو بھول جاتا ہے۔

پریمودا۔ ہائے افسوس، یہ کیا غضب ہوا! شکنتلا نے بے خیالی میں کسی ایسے کی توہین کر دی جو بڑا گیانی مانی تھا۔

(اُدھر دیکھ کر) اور یہ کوئی معمولی آدمی نہیں۔ نامی گرامی رِشی دُروا سا ہے جس کا تنک چڑھا پن جگ ظاہر ہے۔ بد دُعا دے کر وہ غصّے کے مارے تھرتھراتا ہوا سرپٹ چلا جا رہا ہے۔ موا آگ کا بھٹّا ہے۔

انسویا۔ بہن، پیر پڑ کر اس جلے تن کو لوٹا لاؤ۔ اس بیچ میں میں اس کی پوجا کا سامان کرتی ہوں۔

پریمودا۔ بہت اچھا۔ (جاتی ہے)

انسویا۔ (چلتے چلتے پھسل کر)۔ اوئی، ہول کے مارے پانو ایسا پھسلا کہ میرے ہاتھ سے پھولوں کی ڈلیا گر پڑی [1]

(گرے ہوئے پھولوں کو چننے لگتی ہے)

---

[1] اس سے بدشگونی کا اظہار مقصود ہے۔

پرمیودا۔ (لوٹ کر) سکھی، وہ بگڑے دل کسی کی بنتی پر دھیان
کیوں دینے لگا۔ تاہم اس کا پتھر دل کچھ تو پسیجا۔

انسویا۔ (مُسکرا کر) اُس سے اِس کی آس بھی نہ تھی۔ ہُوا کیا؟

پرمیودا۔ جب اُس نے لوٹنے سے قطعی انکار کر دیا تو میں نے
گڑگڑا کہا کہ اے مہابلی، یہ تو دیکھو کہ وہ تمہاری ہی بچّی ہے
وہ تپ کے بل کو کیا سمجھے اور پھر یہ اس کی پہلی بھول ہے۔
اپنی کرامات کے صدقے اُسے معاف کر دو۔

انسویا۔ ہاں تو؟

پرمیودا۔ اجی، وہ پلک مارتے غائب غُلّہ ہو گیا۔ بس یہ کہتا گیا کہ
میرا کہا پتھر کی لکیر ہے، مگر نشانی کی انگوٹھی کو دیکھنے کے بعد
بد دعا کا اثر جاتا رہے گا۔

انسویا۔ باپ رے باپ، دم میں دم تو آیا۔ کچھ آس تو بندھی۔
جب راجا جا رہا تھا تو اس نے اپنے نام کی انگوٹھی یادگار
کے بطور پہنا دی تھی۔ اس کے ہوتے شکنتلا کو بد دُعا
کا ڈر نہیں۔

پرمیودا۔ آؤ سکھی، اس کی خاطر دیوتاؤں کی پوجا کریں۔
(جاتے جاتے۔ باہر دیکھ کر)۔ دیکھو انسویا، اپنے پیا کے

دھیان میں بائیں ہاتھ پر سر رکھے ہماری پیاری سہیلی کس انداز سے بیٹھی ہوئی ہے۔ گڑیا سی لگتی ہے۔ اس بیچاری کو تو اپنا بھی ہوش نہیں، پھر کسی آتے جاتے کی کیا خبر۔

انسویا۔ پریمودا، اس واقعے کی خبر کسی تیسرے کو نہ ہو۔ جانتی ہو، بہنا کا دل کمال نازک ہے، اسے اس افتاد کا پتا نہ چلے۔

پریمودا۔ خوب کہی! اری چمیلی پر بھی کوئی تتا پانی چھڑکتا ہے۔

تمہید ختم

(نیند سے ابھی ابھی جاگا ہوا ایک چیلا آتا ہے)

چیلا۔گرو جی ابھی سفر سے لوٹے ہیں۔ انہوں نے مجھے وقت دیکھنے کو بھیجا ہے۔ زرا باہر چل کر دیکھوں کہ رات کتنی باقی ہے۔ (باہر جا کر دیکھتا ہے)۔ لو، یہ تو سویرا ہو چلا۔ کیونکہ اِدھر تو چاند پچھم کی پہاڑیوں کی اوٹ سے جھانک رہا ہے اور اُدھر پورب میں سورج اپنا گلابی پھریرا اُڑا رہا ہے۔

بیک وقت دو نیّروں کے عروج و زوال کو دیکھ کر لوگ زندگی کے نشیب و فراز کا سبق حاصل کرتے ہیں۔

اب جو چاند ڈوب چلا تو وہی جل سوسن میری آنکھ کو زرا نہیں بھاتی۔ کیونکہ اُس کا حُسن اب مشاہدہ میں نہیں بلکہ فقط تخیل میں رہ گیا[1]۔ سچ ہے کہ پیتم کے بجوگ کا صدمہ سجنی کے لیئے زیادہ غمناک ہوتا ہے۔

پتّوں پر سوئی ہوئی شبنم کی بوندوں کو چاند نے گلابی رنگت دے دی ہے۔ جھونپڑیوں کی پھوس کی چھتوں پر سوتے ہوئے مور بیدار ہو رہے ہیں۔ اور یہ ہرن جو قربان گاہ کے چبوترے پر کھُر سکوڑ کر سوئے ہوئے تھے، اُٹھ کر یوں جماہی لے رہے

---

[1] دیکھئے صفحہ ۸۶ کا حاشیہ +

ہیں جیسے اُن کا کُب نکل آیا ہے - ماہِ تاباں اپنے نور کو لٹا کر آسمان سے گر رہا ہے - ایک دن وہ تھے کہ اسی کے محل یعنی پہاڑوں کے سرتاج سُمیر کو اپنے قدموں کے نیچے رکھ کر وشنو نے چاند کی دنیا کو اپنی مملکت میں شامل کیا تھا[۵]۔

بڑوں کی سربلندی بھی پستی ہی پر ختم ہوتی ہے -

(انسویا داخل ہوتی ہے)

انسویا - (خود) میں دُنیا کی رسم و راہ سے انجان ہوں تو کیا ہُوا، اتنا تو سمجھ ہی سکتی ہوں کہ اُس راجا نے شکنتلا سے بُرا سلوک کیا۔

چیلا - گرو جی سے چل کر کہہ دوں کہ پوجا کا سمئے ہو گیا -

(چیلا جاتا ہے)

انسویا - یہ پہاڑ سا دِن کیسے کٹے - جی کچھ ایسا گرا ہوا ہے کہ نت کے کام بھی نہیں کیئے جاتے - کام دیو، ہماری بھولی بھالی سکھی کو ایک ہرزہ دَئی کے پھندے میں پھنسا کر تمہارا کلیجہ ٹھنڈا پڑا؟...... یا اس تغافل کی اصل وجہ دُرواسا کی بد دعا ہے؟ ...... ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ راجا ایسے ایسے وعدے وعید کرنے کے باوجود اتنی مدت میں ایک چھٹی بھی نہ بھیجتا -

---

[۵] پرانک تلمیحات - ۵

(سوچتی ہوئی) اس صورت میں نشانی کی وہ انگوٹھی یہاں سے اس کے پاس جانی چاہیئے۔ مگر سب سادھو تو اپنی اپنی تپسیا میں ڈوبے ہوئے ہیں، بھیجیں کیسے؟ نہ میں کنو بابا سے کہہ سکتی ہوں کہ شکنتلا کا بیاہ ہو چکا اور اس کا پانوٗ بھاری ہے۔ کیونکہ قصور تو اسی مت ماری کا ہے۔

ہائے، اس بپتا میں ہم کیا کریں!

پریموداـ (آتی ہے، خوشی کے مارے پھولی نہیں سماتی)

بہنا، جلدی آؤ۔ شکنتلا اپنے دولھا کے گھر جا رہی ہے۔ رخصتی کی رسم ادا کرنا ہے۔

انسویاـ اری، یہ کیا ہوا؟

پریموداـ سنو۔ ابھی میں شکنتلا سے پوچھنے گئی تھی کہ رات کو نیند تو اچھی آئی۔

انسویاـ ہاں تو پھر۔

پریموداـ میں نے دیکھا کہ شکنتلا لاج کی ماری سر جھکائے کھڑی ہے اور کنو بابا اُسے گلے لگا کر کہہ رہے ہیں "مرحبا! پجاری کی آنکھیں دھنوئیں کے مارے دُھندلا گئیں تو کیا ہوا، اس کا چڑھاوا تو آگ کو پہنچ ہی گیا۔ میری بچّی، تو اس ہُنر کی طرح ہے جو کسی سعادت مند

شاگرد کو سکھایا گیا ہو کیونکہ تو کوئی ایسا کام نہیں کر سکتی جو میری خفّت کا باعث ہو- آج ہی میں سادھوؤں کے سنگ تجھے پیہر بھیج دوں گا۔"

النسویا- لیکن کنو بابا پر یہ راز کیسے کھُلا-

پریمودا- جب وہ دیوالا کو جا رہے تھے تو آکاش بانی سُنائی دی-

النسویا- (حیرت سے) ایں، وہ آواز کیا تھی؟

پریمودا- اس نے کہا کہ اے برہمن، اپنی بیٹی کو کیکر کا پیڑ سمجھ جس کے تنے میں آگ بھری ہوتی ہے- کیونکہ دُشینت نے اُسے آگ کی اس چنگاری کا حامل بنایا ہے جو کبھی دُنیا کو اُجال دے گی-

النسویا- (پریمودا کو گلے لگا کر) سکھی، میں واری! میں تو سُکھ سے نہال ہو گئی، مگر ساتھ ساتھ اس کا دُکھ بھی ہے کہ شکنتلا ہم سے بچھڑ جائے گی-

پریمودا- اری پگلی، ہم اپنے غم کو کسی نہ کسی طرح بہلا ہی لیں گے، اُسے تو چین نصیب ہو گا-

النسویا- خیر- دیکھو، آم کی اس شاخ پر میں نے ایک ڈلیا لٹکا رکھی ہے جس میں اسی موقع کے لیئے ایک سدا بہار ہار رکھا ہوا ہے- تم اسے نکال لاؤ- میں جا کر اس کے سنگار کا سامان کرتی ہوں-

گوُلوچن، تیرتھوں کی خاک پاک اور قربان گاہ کے تنکے جمع کرتی ہیں

پریموُدا۔ اچّھا، تم جاؤ۔

(انسویا جاتی ہے، پریمودا پھول توڑنے لگتی ہے)

(پسِ پردہ)۔ گوتمی، شارنگرو اور شاردوت سے کہو کہ انھیں شکنتلا کے ساتھ جانا ہے۔

پریمودا۔ (سُن کر)۔ انسویا، پُھرتی کرو! ہستناپور جانے والے سادھو تیار ہو رہے ہیں۔

انسویا۔ (سنگار کا سامان لے کر آتی ہے) بہن چلو چلیں۔

(دونوں چلنے لگتی ہیں)

پریمودا۔ (کچھ دیکھ کر)۔ دیکھو۔ پوَ پھٹتے ہی شکنتلا نِک سے ٹک تک نہا دھو کر وہاں کھڑی ہوئی ہے۔ جوگنیں اُسے مبارک باد دے رہی ہیں اور نظر اُتارنے کے لیئے مُٹھی بھر بھر اناج لے آئی ہیں۔ چلو اس کے پاس۔ (ادھر جاتی ہیں۔ شکنتلا اسی حالت میں نظر آتی ہے۔)

ایک جوگن۔ بیٹی! بھگوان تمہیں مہارانی بنائیں اور یہ لقب تمہارے دولھا کے اتھاہ پریم کی نشانی ہو۔

دوسری۔ بیٹی، بھگوان کرے کہ تمہارا بیٹا بڑا سورما ہو۔

تیسری۔ دُعا ہے کہ تمہارا دولہا تمہیں سر آنکھوں پر جگہ دے۔

(دعائیں دے کر گومتی کے سوا سب چلی جاتی ہیں)

سکھیاں۔ (پاس آکر) پیاری، یہ اشنان مبارک ثابت ہو۔

شکنتلا۔ جم جم آؤ۔ میرے پاس براجو۔

دونوں۔ (سنگار کا سامان رکھ کر بیٹھ جاتی ہیں) جانی، تمہیں سنوارنا سجانا ہے۔ تیار ہو جاؤ۔

شکنتلا۔ میں قربان! ہائے، اب مجھے اپنی سہیلیوں کے ہاتھ کا سنگار کب نصیب ہوگا۔ (رونے لگتی ہے)

سکھیاں۔ بہن، ایسی شبھ گھڑی رونا اچھا نہیں۔

(اس کے آنسو پونچھ کر سنگار کرنے لگتی ہیں)

پریمودا۔ اس روپ کو تو ہیرے موتی سے آراستہ ہونا چاہیئے تھا۔ آشرم کی پھول پتیوں سے اس کی سُبکی ہوتی ہے۔

(اتنے میں دُو رشی کمار گہنے لیئے آتے ہیں)

چیلے۔ یہ رتن ہم دیوی جی کے لیے لائے ہیں۔

گومتی۔ بٹیا نارد، یہ تمہیں کس نے دیے؟

پہلا۔ یہ گرو مہاراج کی کرامات کا ظہور ہے۔

گومتی۔ اوہو! کیا ارادہ کرتے ہی یہ پیدا ہو گئے؟

دوسرا۔ جی نہیں۔ گرو جی نے ہم سے کہا کہ شکنتلا کے لیئے پیڑوں کے
پھول چُن ڈالو۔

ابھی ہم گُل چینی کر رہے تھے کہ کسی پیڑ نے ہماری طرف ایک ریشمی ڈوپٹّا لہرا دیا۔ وہ جو چاندنی کی طرح سبک و سپید ہے۔ ایک نے مہاور ٹپکایا۔ وہ جس سے پانو رنگے جاتے ہیں یہاں وہاں سے بن پریوں نے نازک نازک ہاتھ نکال کر ہماری طرف رنگ برنگے گہنے بڑھا دیئے۔ ان کی کلائیاں ٹہنیوں کی مانند لچیلی تھیں۔

پرمیودا۔ (شکنتلا کو دیکھ کر) یہ نیک شگون بتلاتا ہے کہ تم سُسرال
میں راج کرو گی۔

پہلا چیلا۔ آؤ بھائی۔ گرو جی نہا کر آچکے ہوں گے۔ اُنہیں پیڑوں کی
اس دین کا حال سُنا دیں۔

دوسرا۔ ہاں چلو (دونوں جاتے ہیں)

سکھیاں۔ بھلا ہم گہنوں کا حال کیا جانیں۔ تصویروں میں جیسا دیکھا
ہے اسی انداز پہ تمہیں پہناتی ہیں۔

شکنتلا۔ چلو ہٹو بھی۔ میں تمہارے ہنر کو خوب جانتی ہوں۔

(سکھیاں گہنے پہناتی ہیں)

(نہا دھو کر کنّو رشی آتے ہیں)

کنّو- (خود)- آج شکنتلا چلی جائے گی، اس خیال سے میرا دل غم و اندوہ میں ڈوبا ہوا ہے، آنسوؤں کے روندھنے سے گلا مسوس رہا ہے اور ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے ہیں۔ جب مجھ بن باسی کو محبت کے جذبے نے اِس حد تک مغلوب کر دیا ہے تو اپنی بیٹیوں کو پہلے پہل بدا کرتے سمے دُنیا داروں کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ (ٹہلنے لگتا ہے)

سکھیاں- شکنتلا، سنگار ہو چکا- اب تم یہ ریشمی جوڑا پہن ڈالو-

گوتمی- بیٹی، تمہارے بابا آرہے ہیں- ان کی آنکھیں تمہیں دیکھ کر مُسکرا رہی ہیں- آداب بجا لاؤ۔

شکنتلا- (شرماتی ہوئی) پالاگوں بابا-

کنّو- بیٹی، تو اپنے دولھا کو اُتنی ہی محبوب ہو جتنی شرمشٹھا بیاتی کو پیاری تھی[۵] اور اگر اس نے پُرو جیسے نامور کو جنم دیا تو دُعا ہے کہ تیرا بیٹا بھی راجا دھراج ہو۔

گوتمی- یہ مُراد طلبی نہیں بلکہ مُراد بخشی ہے-

کنّو- بیٹی، آؤ اگنی دیوتا کا طواف کر ڈالو- ابھی انہیں ایندھن

---

[۵] پرانک تلمیحات ۶-

دیا گیا ہے۔

آگ کی یہ لپٹیں جو اپنا چڑھاوا لے کر قربان گاہ کے گرداگرد اپنی جگہ پر بھڑک رہی ہیں اور جن کے کنارے کُش گھاس کے تنکے بکھرے پڑے ہیں۔ دُعا ہے کہ یہ تجھے پاک کریں اور ہَوَن کی مہک پاپ کی بو باس کو اُڑا لے جائے۔

(سب لوگ طواف کرتے ہیں)

اب سِدھارو۔

(ٹہلتے ہوئے) شارنگرو وغیرہ کہاں ہیں۔

دونوں چیلے۔ (اندر آکر)۔ گرو جی ہم تیار ہیں۔

کنّو۔ اپنی بہن کو گیل بتاؤ۔

شارنگرو۔ بہن جی، ادھر سے چلنا ہے۔

کنّو۔ ارے او تپ بن کے پیڑو! وہ جو تمہیں پانی دیے بنا مُنہ میں پانی کی بوند نہ ڈالتی تھی، وہ جو سنگار کی پریمی ہوتے ہوئے بھی تمہاری چاہ کے مارے نئی کونپلوں کو ہاتھ نہ لگاتی تھی، وہ جسے تمہارے نئے پھولوں کا دیدار مسرت کا پیام تھا — وہی شکنتلا آج اپنے سسرال جا رہی ہے۔ تم سب اسے ہنسی خوشی رخصت کرو۔ (کویل کی کوک سُن کر) شکنتلا

کے چھیتے پیڑ اُسے الوداع کہہ رہے ہیں۔ کویل کی کوک میں اُنہی کی صدا سمائی ہوئی ہے۔

(دُور سے آواز آتی ہے) اس کا راستہ، جس کی منزلوں کو کنول بچھے ہوئے تالاب خوش کام بنائیں گے اور سایہ دار درخت دھوپ کی کلفت کو دُور کریں گے، کاش ایسا ہو جائے کہ اس کی خاک دھول زرِ گل کی طرح نرم ہو، اس پر ہلکی ہلکی بادِ صبا چل رہی ہو اور وہ بالکل بے خطر ہو۔

(سُن کر سب حیرت زدہ رہ جاتے ہیں)

گوتمی۔ تپ بن کی دیویاں، جو ہماری طرح تیری شفیق ہیں تجھے آشیرباد دے رہی ہیں، اُن کے آگے سر جُھکا۔

شکنتلا۔ (سر جھکا کر ٹہلتی ہوئی ــــ علیحدہ) پیاری پرمیودا، یہ سچ ہے کہ میں پران پیارے کے درشن کی پیاسی ہوں لیکن آشرم سے جاتے ہوئے میرے پانو ڈگمگا رہے ہیں۔

پرمیودا۔ اکیلی تمہیں کو جُدائی کا صدمہ نہیں ہے۔ ذرا اس آشرم کی اُداسی کو دیکھو جس سے تم کسی دم میں بچھڑ جاؤ گی۔ ہرنوں نے چرنا چھوڑ دیا ہے، مور اپنا ناچ بھول گئے ہیں اور ڈالیاں سوکھی پتیوں کی صورت میں آنسو بہا رہی ہیں۔

شکنتلا۔ (کچھ یاد کر کے) بابا، میں اس بیل سے جو میری بہن ہے، وہی جس کا نام بن جوت ہے، بدا ہو لوں؟

کنو۔ کیوں نہیں۔ اس سے تمہارے بہناپے کو میں جانتا ہوں۔

شکنتلا۔ (بیل کو گلے لگا کر)۔ بن جوت، اپنے پتیم آم کے پیڑ سے تو چمٹی ہوئی ہے تو کیا ہوا، اپنی ان ٹہنیوں سے جو اِدھر مُڑ آئی ہیں تو مجھے بھی لپٹا سکتی ہے۔

اری، اب میں تجھ سے بہت دُور ہو جاؤں گی۔

کنو۔ حُسنِ سیرت سے تو نے اپنے لائق شوہر ڈھونڈ لیا۔ اس چمیلی نے بھی اپنے جوگ بر تلاش کر لیا۔ اب میں دونوں کی طرف سے بےفکر ہو گیا۔

بیٹی، اب دیر نہ کرو، بدائی کی گھڑی ٹل رہی ہے۔

شکنتلا۔ (سکھیوں سے)۔ بہنو، اِس بیل کو تمہیں سونپا۔

سکھیاں۔ لیکن ہمیں کسے سونپ کر جاتی ہو۔

(رونے لگتی ہیں)

کنو۔ یہ رونا دھونا کیسا۔ انسویا، تمہیں تو شکنتلا کی دل جوئی کرنا ہے۔

شکنتلا۔ اچھے بابا، یہ ہرنی جو حمل کی وجہ سے کٹیا کے پاس سے آہستہ آہستہ گزر رہی ہے، جب یہ بچّے جن دے تو مجھے

سندیسا بھیجنا۔

کنو۔ اچّھا، میں بھولوں گا نہیں۔

شکنتلا۔ (ٹھٹک کر) ارے یہ کون ہے جس نے میرا پلّو پکڑ لیا؟

کنو۔ یہ ہرن کا وہی بچّہ ہے جسے تو نے اپنا بیٹا بنایا تھا۔ جب گھاس کے تنکوں کی نوک سے اس کا مُنہ سوج گیا تھا، تو تو نے مال کنگنی کا تیل لگا لگا کر اُسے اچھا کیا تھا۔ اور اپنے ہاتھوں سے پال پوس کر اُسے بڑا کیا تھا۔ وہی اب تیری راہ روکے کھڑا ہے۔

شکنتلا۔ میری جان، میں تجھے چھوڑ کر جا رہی ہوں تو تو، مجھے کیوں نہیں چھوڑ دیتا تو بن ماں کا ننّھا سا تھا، تب سے تیری پرورش کی ہے۔ اب میں تجھے چھوڑے جاتی ہوں تو بابا تیری خبر گیری کریں گے۔ (روتی ہے)

کنو۔ بیٹی، رونے سے کیا حاصل۔ اپنی طبیعت کو سنبھالو اور ایک نظر اپنی راہ کو دیکھ لو۔ تمہاری آنکھیں اتنی ڈبڈبائی ہوئی ہیں کہ پلکیں بے حرکت ہو گئی ہیں۔ ان آنسوؤں کو پی ڈالو۔ راستے کی اونچ نیچ نہ دیکھ سکنے کے کارن تمہارے قدم ٹھیک نہیں پڑ رہے ہیں۔

شارنگرو۔ گروجی، سُنتے ہیں کہ اپنے پیاروں کو بدا کرنے کے

لئے جل کنارے تک آنا چاہیئے۔ لیجئے، اب یہ تالاب کا
سرا آگیا۔ ہمیں حکم دے کر آپ یہیں سے لوٹ جایئے۔

کنو۔ تو پھر آؤ۔ ایک گھڑی شہتوت کے اس پیڑ کی چھاؤں میں
کھڑے ہو جائیں۔

(سب وہاں جا کر رُک جاتے ہیں)

کنو۔(خود)۔ راجا دُشنیت جیسے اعلیٰ مقام کے شایان شان کیا
پیغام بھیجوں۔(سوچنے لگتا ہے)

شکنتلا۔(علیحدہ) سکھیو دیکھو۔ چکور جو کنول کی پنکھڑیوں میں چھپ
گیا ہے تو چکوی چیخ چیخ کر ہلکان ہوئی جا رہی ہے۔ مجھ سے
پوچھو کہ کس مشکل سے اپنے کو ضبط کیے ہوئے ہوں۔

انسویا۔ یہ نہ کہو۔ پیارن آخر وہ بھی پہاڑ سی رات کاٹ ہی دیتی
ہے۔ پھر نگوڑی شبِ فرقت کتنی طولانی ہوتی ہے یہ سوچ لو
جدائی کا غم کتنا ہی جان لیوا کیوں نہ ہو لیکن امید یہ وقت بھی
گزار ہی دیتی ہے۔

کنو۔ شارنگرو، شکنتلا کو آگے کر کے اُس راجا کو ہمارا یہ سندیسا سُنانا۔

شارنگرو۔ اِرشاد۔

کنو۔"یہ من میں رکھتے ہوئے کہ اگر تم شاہ ہو تو ہم بھی گدا ہیں اور

پھر یہ کہ شکنتلا نے کسی کے دباؤ سے نہیں بلکہ آزادی سے تم سے محبت کی ہے، تمہارا فرض ہے کہ اس سے دوسری رانیوں کا سا برتاؤ کرو۔ اس سے زیادہ ہونا نہ ہونا قسمت کی بات ہے۔ لڑکی والوں کو اس بارے میں کچھ نہ کہنا چاہیے۔"

شارنگرو۔ بہت خوب۔ مجھے یاد رہے گا۔

کنو۔ میری بچّی، اب تمہیں ایک دو سیکھ دینا ہے۔ بن باسی ہوتے ہوئے بھی ہم دُنیا داری کو سمجھتے ہیں۔

شارنگرو۔ اہلِ نظر کو کیا نہیں معلوم۔

کنو۔ جب پیہر پہنچو تو اپنے بڑوں کی خدمت سے کبھی گریز نہ کرنا، اپنی سوتوں سے سکھیوں کا سا برتاؤ کرنا، شوہر کبھی بھلا بُرا کہہ بھی دے تو اُلٹ کر جواب نہ دینا، نوکروں سے ہمیشہ اچھا سلوک کرنا، عیش و نشاط میں رہ کر کبھی نخوت کا سبق نہ لینا۔ جب لڑکیاں یہ چلن اختیار کرتی ہیں، تو شریف زادیاں کہلاتی ہیں۔ اور جو اُلٹی راہ چلیں تو اپنے خاندان کو کلنک لگاتی ہیں۔ کیوں گوتمی دیوی، کیا رائے ہے۔

گوتمی۔ دولھن کے لیئے اس سے اچھی اور کیا نصیحت ہو سکتی ہے جانِ من، اسے گرہ میں باندھ رکھو۔

کنو۔ بیٹی، آؤ اب ہم سب سے گلے مل لو۔
شکنتلا۔ بابا، کیا میری سہیلیاں یہیں سے لوٹ جائیں گی۔
کنو۔ بیٹی، کبھی ان کا بھی بیاہ کرنا ہے۔ ان کا وہاں جانا اچھا نہیں۔ گوتمی تمہارے ساتھ جائیں گی۔
شکنتلا۔ (باپ کے گلے سے لپٹ کر) جیسے چندن کا پیڑ میسور کی پہاڑی سے ہٹا دیا جائے، ویسے ہی اپنے ابا کی گود سے دور دراز کسی پرائے گھر میں زندگی کیسے تیر کروں گی۔
کنو۔ بیٹی، تم ناحق پریشان ہو رہی ہو۔ جب تمہارا بلند اقبال شوہر تمہیں مہارانی کا منصب دے گا، جب اُس کے ساتھ راج پاٹ کے دھندوں میں پھنس جاؤ گی، جب ایک بھاگوان بیٹے کو جنم دو گی جیسے پورب اپنی کوکھ سے سورج کو نکالتا ہے۔ تو پھر ہماری جدائی کا غم بالکل بھول جاؤ گی۔
(شکنتلا باپ کے قدموں پر گر پڑتی ہے)
کنو۔ میرے آشیرباد سے تیری سب تمنائیں برآئیں گی۔
شکنتلا۔ (سکھیوں سے)۔ بہنو، تم دونوں ایک ساتھ مجھے گلے لگاؤ۔
سکھیاں۔ (گلے لگا کر) پیاری، اگر وہ راجا تمہیں جلدی نہ پہچان سکے تو اُسے یہ انگوٹھی دکھا دینا جس پر اس کا نام کندہ ہے۔

شکنتلا۔ اس وسوسے سے میرا کلیجہ دھک سے ہو گیا۔

سکھیاں۔ ڈرنے کی کیا بات ہے محبت بدگمان ہوتی ہی ہے

شارنگرو۔ بہن جی، اب دن پہر سے زیادہ چڑھ گیا، جلدی کیجیے

شکنتلا۔ (آشرم کی طرف مڑ کر)۔ بابا، اب یہاں آنا کب نصیب ہوگا؟

کنو۔ سنو۔ جب تم دھرتی کی سوت[۱] بن کر بہت دنوں رہ چکوگی

اپنے نونہال کے لیئے دنیا کو بیریوں سے پاک کر لوگی، تب

تمہارا شوہر راج کا بھار اُس کے ہاتھ سونپ کر تمہارے ساتھ

اس آشرم میں چلا آئے گا[۲]۔

گوتمی۔ دُلاری، دیکھو، بدائی کا لگن ٹلا جا رہا ہے۔ اب اپنے بابا کو

رخصت کرو۔ گرو جی، آپ ہی لوٹ جائیں۔ یہ تو برابر یوں ہی

کیے جائے گی۔

شکنتلا۔ (دوبارہ کنو کے سینے سے لپٹ کر) بابا، آپ کا تن تپشیا کے

مارے سوکھ کر کانٹا ہوا جا رہا ہے۔ میری یاد میں زیادہ بے کل

نہ ہونا۔

کنو۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر)۔ بیٹی، جب میں کٹیا کے سامنے ان دھان

کی بالوں کو سر ہلاتا دیکھوں گا جنہیں تو پوجا میں چڑھایا کرتی تھی تو

---

۵۱ دیکھیے صفحہ ۸۰ کا حاشیہ۔ ۵۲ پرانک تلمیحات۔ ۷

میرا دل کیسے نہ بھر آئے گا۔

اب سدھارو۔ جاؤ، بھگوان کو سونپا۔

(شکنتلا سنگیوں کے ساتھ جاتی ہے)

سکھیاں۔(شکنتلا کو دیکھتی ہوئیں) ہائے ہائے! گھنی جھاڑیوں نے شکنتلا کو چھپا لیا۔

کنو۔(آہ بھر کر) انسویا، تمہاری سہیلی چلی گئی، اپنے کو سنبھالو اور میرے ساتھ آؤ۔

(سب جانے لگتے ہیں)

سکھیاں۔بابا، شکنتلا بنا یہ آشرم کیسا سُونا سُونا سا لگتا ہے۔

کنو۔یہ محبت کا کرشمہ ہے (سوچتے ہوئے) اُف، اوہ! شکنتلا کو اس کے سسرال بھیج کر ایسا لگ رہا ہے کہ ایک بڑا بار اُتر گیا، اس لئے کہ بیٹی آخر پرایا دھن ہی ہے، آج اُسے پیہر بھیج کر ایسا ہی اطمینان ہو رہا ہے جیسا کسی کی امانت لوٹا کر۔

ڈراپ

پانچواں ایکٹ

مقام۔ راج محل

(راجا اور مادھو بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں)

مادھو۔ (کان لگا کر) سرود خانہ سے یہ کیسی آواز آرہی ہے۔ کوئی میٹھے میٹھے بانکے گیت کس اُستادی سے گا رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ رانی ہنس پادِکا، سرگم کی مشق کر رہی ہیں۔

راجا۔ سُن تبھی سکتا ہوں جب تم اپنی بڑبند کرو۔

(دُور سے گانے کی آواز) :۔

بھونرے، تو ہے مدھ کا لوبھی
پہلے آم مُور کو چوم کر
کنولوں پر اب جھوم جھوم کر
ایک گھڑی ان کے دِل بِچ رہ
بھول گیا تو ہم کو پیارے

راجا- اس نغمے میں کتنا سوز ہے -

مادھو- کیا آپ سچ مچ اس گیت کا اصل مطلب سمجھ گئے -

راجا- (مسکرا کر) ہاں سمجھا! پہلے میں اس کا فریفتہ تھا، اب وسومتی کا شیدائی ہوں - اسی لیے وہ مجھے طعنہ دے رہی ہے بھئی مادھو، اس سے کہ آؤ کہ اِس اُلاہنے پر میں ریجھ گیا -

مادھو- بہت اچھا - (اُٹھ کر) جیسے کسی حور کے دام میں آکر زاہد کی خیر نہیں، ویسے ہی میرے لیئے بھی پناہ کی کوئی راہ نہیں رانی صاحبہ دوسروں کے ہاتھ سے میری وہ مرمّت کرائیں گی کہ چندیا گنجی ہو جائے گی -

راجا- اماں، جاؤ بھی - شرافت سے پیش آؤ گے تو یہ نہ ہو گا -

مادھو- دیکھیے کیا گت بنتی ہے - (جاتا ہے)

راجا- (خود) کیا بات ہے کہ یہ گیت سُن کر میرا دل آپ ہی آپ بھر آیا حالاں کہ کسی پیارے کے بجوگ کی کھولن بھی نہیں ہے - یا یہ بات ہے کہ حسین چیزوں کو دیکھ کر اور شیریں نغموں کو سُن کر اگر کسی شادکام کا دل آپ ہی آپ درد سے بھر آئے تو سمجھنا چاہیے کہ کوئی نامعلوم جذبہ پچھلے جنم کے دوستوں کی یاد دلا رہا ہے - (بے چینی کا اظہار کرتا ہے)

(حاجب داخل ہوتا ہے)

حاجب - (خود) وائے بر حالِ ما، نوبت بہ ایں جا رسید کہ جو جریب مدّتوں سے میرے منصب کی نشانی تھی، اب اسی سے سہارے کی لاٹھی کا کام لینا پڑتا ہے۔ کیونکہ چلنے میں میرے پانو کانپنے لگتے ہیں۔

یہ تو سچ ہے کہ مہاراج کو دھرم کاج کا دھیان رکھنا چاہیے لیکن وہ تو ابھی ابھی دربار سے اُٹھ کر آئے ہیں۔ اُن سے اسی وقت جا کر نہیں کہا جاتا کہ کنور رشی کے چیلے ملنا چاہتے ہیں۔ ان کے آرام میں خلل ہو گا۔

مگر میاں، یہ بھی واقعہ ہے کہ پالن ہاروں کو آرام کب ہیتر، سورج کی سواری جو ایک بار سفر پر روانہ ہوئی تو کہیں نہ تھمی۔ اور ہوا جو چلی تو چلی ہی چلی۔ پھر شیش ناگ کو دیکھو کہ ان کی کھوپڑی پر زمین کا بوجھ ایک بار لادا گیا تو چھن بھر کے لیئے نہ اُترا۔ یہی حال ہمارے مہاراج کا ہے۔

بھئی میں جھمیلے میں کیوں پڑوں۔ سندیسا سُنا دوں۔ (جھانک کر) اپنی اولاد کی طرح پرجا کی پرورش کر کے حضور

لہ پُرانک تلمیحات - ۸ +

تھک گئے ہیں اور کنجِ تنہائی میں آرام کر رہے ہیں۔ ہاتھیوں کا راجا بھی دن بھر اپنے گلّے کی رہبری کر کے دھوپ کا مارا کوئی ٹھنڈی جگہ ڈھونڈتا ہی ہے۔

(قریب جاکر) مہاراج کی جے ہو۔

ہمالیہ کی ترائی کے باسی، دو سادھو دو دیویوں کے ساتھ آئے ہیں اور کنو رشی کا کوئی سندیسا لائے ہیں۔ کیا حکم ہوتا ہے؟

راجا۔ (حیرت سے) کیا کہا؟ سادھو اور عورتیں! کنو رشی کا سندیسا![1]

حاجب۔ جی ہاں۔

راجا۔ سومارت، پروہت سے کہو کہ وہ ریت کے مطابق ان کی آؤ بھگت کریں۔ پھر اپنے ساتھ انھیں میرے پاس لائیں۔ میں بھی کسی ایسے مقام پر جاکر ان کا انتظار کرتا ہوں جو سادھوؤں کے مناسب ہو۔

حاجب۔ جو حکم سرکار۔ (جاتا ہے)

راجا۔ (اٹھ کر) ویتروتی، آتش کدہ کی راہ کون سی ہے؟

چوب دار۔ سرکار ادھر تشریف لائیں۔

---

[1] بد دعا کی وجہ سے راجا تپ بن کا قصّہ بالکل بھول چکا ہے۔

راجا۔ (ٹہلتے ہوئے۔ یہ جتا کر کہ وہ کثرتِ کار سے تھک گیا ہے)
ہر آدمی اپنے مقصد کو پا کر اطمینان کی سانس لیتا ہے۔ لیکن
حکومت کو اطمینان سے کیا واسطہ۔ جب راج مِل جاتا ہے تو
ایک کھٹکا دُور ہو جاتا ہے لیکن جو مِل گیا وہ کھو نہ جائے، یہ تردّد
کیا کچھ کم ہے۔ حکومت چھتری کی طرح ہے۔ اگر اس کی ڈنڈی
اپنے ہاتھ میں تھامے رہو تو تھکن گھٹنے کے بجائے بڑھ جاتی ہے۔

(پسِ پردہ۔ دو بھاٹوں کی آواز) حضور کا اقبال دو بالا ہو۔

ایک بھاٹ۔ آپ اپنے عیش و آرام کو تج کر صبح و شام پرجا سیوا
میں لگے رہتے ہیں۔ یہی آپ کا دھرم ہے۔ پیڑ کا سبھاؤ بھی یہی
ہے کہ اپنی پھننگ پر سُورج کی کرنوں کو سہ لے۔ لیکن اپنی
چھانو میں بیٹھنے والوں کو ٹھنڈک پُہنچائے۔

دوسرا بھاٹ۔ اپنے انصاف سے بھٹکے ہوؤں کو نیت کی
ریت سکھاتے ہیں اور پرجا میں امن قائم رکھتے ہیں۔ دھن
مال ہو تو بھائی بند بہت مِل جاتے ہیں۔ لیکن کنگالی میں ناتا
نباہنے والا ایک آپ ہی کا دم ہے۔

راجا۔ یہاں آکر میری تھکن ہرن ہو گئی۔

چوب دار۔ سرکار، آتش کدے کی چاندنی لِپ پُت کر جھل جھلا رہی

ہے۔ ہَون کی گائے بھی وہیں بندھی ہوئی ہے۔ سیڑھیوں پر ہو کر وہیں چلیئے۔

راجا۔ (اوپر چڑھتے ہوئے، نوکروں کے کاندھے کا سہارا لے کر) کیوں جی، کنو رِشی نے یہ سادھو کس غرض سے بھیجے ہوں گے؟ کہیں جوگیوں کے دھرم کاج میں کوئی رخنہ تو نہیں پڑا، یا کوئی پاپی ان کے جانوروں کو ستا رہا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ میرے کسی پاپ کے کارن آشرم کے پودوں کی باڑھ ماری گئی۔ اس حیص بیص سے میرا جی اُلجھ رہا ہے۔

چوب دار۔ میرے خیال میں تو یہ سادھو آپ کی رعایا پروری سے خوش ہو کر مبارک باد دینے آئے ہیں۔

(شکنتلا کو ساتھ لیئے ہوئے گوتمی اور چیلے آتے ہیں۔ حاجب اور پجاری (سومارت) آگے آگے ہیں)

دربان۔ صاحبو، ادھر آؤ۔

شارنگرو۔ (علیحدہ) بھائی شاردوت، اس میں شک نہیں کہ یہ راجا بڑا پرتاپی ہے۔ کبھی راہِ راست سے نہیں ڈگتا اور اس کے راج میں نیچ ذات والے بھی دھرم کی ڈگر سے نہیں ہٹتے۔ مگر اسے کیا کروں کہ میری تنہائی پسند طبیعت اس بھیڑ بھاڑ سے

گھبراتی ہے اور مجھے اس آنگن میں ہر طرف آگ ہی آگ نظر آتی ہے۔

شارد وت۔ (علیحدہ) شہر میں آکر مجھے بھی یہی محسوس ہو رہا ہے ان عشرت پسندوں کو میں خود اس نظر سے دیکھتا ہوں جس نظر سے کوئی پاک صاف، کسی نجس ناپاک کو، کوئی ہوشیار کسی نیند کے ماتے کو یا کوئی آزاد کسی غلام کو دیکھتا ہے۔

شکنتلا۔ (بدشگونی کا اظہار کرکے)۔ ہائے! میری داہنی آنکھ کیوں پھڑکنے لگی؟

گوتمی۔ بیٹی، دُکھ کے دن بیت گئے۔ تیرے نیہر کے دیوتا تیرا بھلا کریں۔

پجاری۔ (راجا کی طرف اشارہ کرکے) سنیاسیو! ہمارے راجا کے پاس ادب کو دیکھا کہ پہلے سے کرسی چھوڑ کر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔

شارنگرو۔ پجاری جی! یہ ان کا بڑپن ہے۔ اور ہم سے پوچھو تو یہی ان کا فرض تھا۔

پھل آئے تو پیڑ جھک ہی جائیں گے۔ برکھا آئی تو بادل نیچے اُتر ہی آئیں گے۔ یہی حال اچھوں کا ہے کہ

دولت اُنہیں جھکاتی ہے۔ دوسروں کا بھلا کرنے والوں کا یہی چلن ہے۔

چوب دار۔ مہاراج! ان سب کے چہرے تو خوشی کے مارے کِھلے ہوئے ہیں۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی کارِ خیر کے لیے آئے ہیں۔

راجا۔ (شکنتلا کو دیکھ کر)۔ جوگیوں کے جھنڈ میں گھونگھٹ کاڑھے ہوئے یہ سُندری کون ہے؟ سوکھی پتّیوں میں یہ نئی کونپل کہاں سے آئی؟

چوب دار۔ سرکار، یہ میری عقل بھی کام نہیں کرتی۔ اتنا ضرور کہوں گا کہ اس کا جمال دیدار کے قابل ہے۔

راجا۔ پرائی عورت سے تاک جھانک ٹھیک نہیں۔

شکنتلا۔ (کلیجہ تھام کر خود) ارے دل! تو ناحق بیٹھا جا رہا ہے۔ پیتم کے اس پیار کو یاد کر اور دھیرج رکھ۔

پجاری۔ (آگے آکر) مہاراج، ان کی آؤ بھگت کی رسم ہم ادا کر چکے۔ اب یہ اپنے گرو کنو رشی کا کوئی سندیسا سُنانا چاہتے ہیں۔ اسے سُننے کی زحمت گوارا فرمائیں۔

راجا۔ (احترام سے) میں جی لگا کر سُن رہا ہوں۔

دونوں سادھو۔ (ہاتھ اُٹھا کر) مہاراج کی جے ہو۔

راجا۔ میں آپ سب کو پرنام کرتا ہوں۔

دونوں سادھو۔ آپ کی مُرادیں بر آئیں۔

راجا۔ آپ کے جب تپ میں کوئی روک ٹوک تو نہیں ہے؟

شارنگرو۔ جب تک آپ اس جہان کے امین ہیں۔ تب تک دھرم کاج میں رکاوٹ کا اندیشہ کیسے ہو سکتا ہے۔ سورج کے چمکتے اندھیرے کا کیا کھٹکا؟

راجا۔ آپ کے اتنا کہنے سے میں راجا کہلانے کا مستحق ہو گیا۔ کنو رشی کا دم دنیا کے بھلے کے لیے غنیمت ہے۔ اُن کا مزاج تو بخیر ہے۔

شارنگرو۔ خیریت تو رشیوں کی لونڈی ہے۔ ہمارے گرو نے آشیرباد کے بعد یہ سندیسا بھیجا ہے۔

راجا۔ اسے سُننے کا میں مشتاق ہوں۔

شارنگرو۔ سُنیے۔ آپ دونوں نے آپس کی رضامندی سے پریم بیاہ کیا اور میں نے اس فعل کو پسند کیا۔ کیونکہ ہماری نظر میں آپ نیکوں کے سرتاج ہیں اور شکنتلا ستیوں کی رانی ہے۔ اب تک بھگوان کو اُلاہنا ملتا رہا کہ اُن میں جوڑی ملاتے

ہیں۔ لیکن دشنیت اور شکنتلا کی جوڑی ملا کر اُس نے یہ کلنک دھو دیا۔ اب دھرم ریت کے مطابق اس حاملہ کو قبول کیجئے"۔

گوتمی۔ راجا صاحب، مجھے بھی کچھ کہنا ہے، لیکن سوچتی ہوں کہ کہوں یا نہ کہوں۔ اس نے اپنے بڑے بوڑھوں سے نہیں پوچھا اور نہ آپ نے اپنے بھائی بندوں کی رائے لی۔ اس صورت میں کسی تیسرے کو کچھ بولنے کا حق نہیں رہ جاتا۔

شکنتلا۔ (خود) اب اپنے مالک کا جواب سُننا ہے۔

راجا۔ (اچنبھے سے) یہ کیسا سوانگ ہے؟

شکنتلا۔ (خود) ارے، جیسے کسی نے مجھے دہکتی آگ میں جھونک دیا۔

شارنگرو۔ ایں، آپ نے یہ کیا کہا۔ آپ تو دُنیا کی راہ و رسم سے بخوبی واقف ہیں۔ کوئی سُہاگن اگر میاں کے جیتے جی اپنے میکے میں جا رہے تو لوگ انگشت نمائی کرتے ہیں، چاہے وہ کیسی ہی ستی ساوتری ہو۔ اس لیے وہ اپنے پیا کی پیاری ہو یا نہ ہو، لیکن گھر والوں کی یہی مرضی ہوتی ہے کہ جوان عورت پیہر میں رہے۔

راجا۔ کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس دیوی سے کبھی میرا بیاہ ہوا تھا۔

شکنتلا۔(مایوس ہوکر۔خود) لے کمبخت دل! لے، تیرا وسوسہ صحیح نکلا۔

شارنگرو۔اگر کوئی غلطی سرزد ہو بھی گئی ہے تو کیا ایک راجا کے لیے یہ زیبا ہے کہ وہ اپنے دھرم کو بھول جائے۔

راجا۔مگر اس بے بنیاد قیاس کا ثبوت کیا ہے؟

شارنگرو۔(غصّے سے) دولت کا نشہ نیت کو ڈانواں ڈول کر دیتا ہے۔

راجا۔میں اس توہین کو برداشت نہیں کر سکتا۔

گوتمی۔(شکنتلا سے) بیٹی، پل بھر کے لیے لاج شرم چھوڑ دو۔ لاؤ، میں گھونگھٹ ہٹا دوں تو شاید تمہارا دولھا پہچان جائے۔

راجا۔(شکنتلا کو دیکھ کر۔خود) اس کا حُسن ابھی نوبہار ہے لیکن یہ بیاہی ہے یا کنواری، یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔اس دبدھا کے کارن نہ اسے قبولا جاتا ہے اور نہ چھوڑا جاتا ہے۔میری حالت اُس بھونرے کی سی ہے، صبح سویرے کنول کے دل کے اندر اوس کی بوند دیکھ کر جس سے نہ بیٹھتے بنتا ہے اور نہ بھاگا جاتا ہے۔

(سوچ میں پڑ جاتا ہے)

چوب دار۔(خود)۔ہوں، سرکار نے دھرم کی بخ خوب نکالی۔ گھر بیٹھے ایسی پری آئے تو پھر کون ہچر مچر کرتا ہے۔

شارنگرو۔ راجا صاحب، آپ نے چُپ کیوں سادھ لی؟

راجا۔ صاجو، میں بار بار غور کرتا ہوں لیکن زرا یاد نہیں پڑتا کہ میں نے اس سے کبھی لگن لگایا تھا۔ پھر اس حالت میں کہ وہ حمل سے ہے، میں اسے کیسے اپنا لوں۔ میرا ضمیر مجھے ملامت کرے گا کہ پرائی عورت کو گھر ڈال لیا۔

شکنتلا۔ (خود)۔ ہائے ری قسمت! اُنہیں تو بیاہ سے ہی ایک سِرے سے انکار ہے۔ آہ، میری تمناؤں کا طلسم ٹوٹ گیا۔

شارنگرو۔ ایسا نہ کہیے راجا صاحب۔

کیا آپ کو یہی زیبا ہے کہ اُس رِشی کو اس طرح ذلیل کیجئے جس کی بیٹی کو چھل کر آپ نے لاج بگاڑی مگر وہ دل پر ملال نہ لایا اور آپ کے بیاہ کو مان گیا۔ ایک اپنے کو دیکھو اور ایک اس کی بھل منساہت کو کہ جس کا مال چرایا اب وہی یہ مال چور کے پاس اس لیے بھیج رہا ہے کہ وہ ساو کہلائے۔

شاردوت۔ بھائی جان، تم اب چُپ کرو۔

شکنتلا، ہمیں جو کہنا تھا کہہ چکے۔ راجا کا جواب بھی تم نے سُن لیا اب تم خود اس پر اپنی سچائی ثابت کرو۔

شکنتلا۔ (خود)۔ ارے، اس محبّت کی یاد دلانے سے کیا حاصل

جس کا انجام یہ ہونا تھا۔ مگر اپنے کو رُسوائی سے بچانے کے لیے کچھ کہنا ہی پڑے گا۔

(بآواز) میرے سوامی ——— (کہتے کہتے رک کر) جب شادی ہی سے انکار ہے تو یوں پکارنا ٹھیک نہیں۔

راجا صاحب، آشرم میں جھوٹے وعدے وعید کر کے جس بھولی بھالی کو آپ ایک بار دھوکا دے چکے ہیں اُسے اس بے دردی سے ٹھکرانے کا ہیاؤ آپ نہ کریں گے تو کون کرے گا؟

راجا۔ (کان پر ہاتھ رکھ کر) توبہ کر لڑکی، توبہ کر۔ اپنے گھرانے کو رسوا کیا سو کیا، مجھ غریب کو بھی اپنے ساتھ لپیٹے میں کیوں لیتی ہے۔ تیری مثال تو اس ندی کی ہے جو اپنے کنارے کو کاٹنے گئی تھی۔ پیڑوں کو گرایا سو الگ اپنے پانی کو بھی گندلا کر آئی۔

شکنتلا۔ اگر آپ سچ مچ پرائی عورت سمجھ کر ہی مجھ سے یہ برتاؤ کر رہے ہیں تو میں نشانی کی انگوٹھی دکھا کر ابھی سب بھرم دُور کیے دیتی ہوں۔

راجا۔ بیشک مجھے یہ منظور ہے۔

شکنتلا۔ (انگلی دیکھ کر)۔ ارے غضب! ہائے! میری مندری کہاں گر پڑی؟

گوتمی۔ جب تم ششمی تیرتھ کے پاس گنگا جی میں کھڑی پوجا کر رہی تھیں۔ تبھی تمہارا چھلّا گر پڑا ہوگا۔

راجا۔ (ہنس کر) کون کہتا ہے کہ عورتیں حاضر جواب نہیں ہوتیں۔

شکنتلا۔ ارے، یہ تو قسمت کی بات ہے۔ لیکن میں ایک واقعے کی یاد دِلا سکتی ہوں۔

راجا۔ خوب!! دیکھنے کا جگ بیت گیا۔ اب سُننے کی باری ہے۔

شکنتلا۔ ایک دن بیدوں کے کُنج میں، کنول پنکھڑیوں کے دونے میں رکھا ہوا پانی آپ نے چلّو میں اُنڈیلا۔

راجا۔ جی، پھر کیا ہوا؟

شکنتلا۔ اِسی سمے، میرا مُنہ بولا بیٹا ہرن کا وہ چھَونا وہاں آگیا۔ آپ نے ترس کھا کر یہ کہتے ہوئے پانی اُس کی طرف بڑھایا کہ اُسے پہلے پی لینے دو، لیکن آپ کو اجنبی جان کر وہ پاس آتے گھبرایا پھر وہی پانی جب میں نے اپنے ہاتھ سے بڑھایا تو وہ پی گیا۔ اِس سے جل کر آپ نے طعنہ دیا۔ سب اپنے بھائی بندوں پر بھروسا کرتے ہیں، آخر تم دونوں جنگلی جو ٹھیرے!

راجا - ان غمزوں کا جادو کسی دل پھینک پر آسانی سے چل سکتا ہے، مطلب سادھنے کا یہ ڈھب اچھا ہے۔

گوتمی - مہاراج، ایسی بات منہ سے نہ نکالیے - یہ آشرم میں پلی بڑھی ہے، فن فریب کیا جانے۔

راجا - بڑی بی، انسانوں کا تو کہنا ہی کیا - حیوان ماداؤں میں بھی بے سکھائے پڑھائے یہ وصف پایا جاتا ہے - پھر اُن کا ذکر ہی کیا جنھیں شعور ہوتا ہے - کویل کو دیکھیے کہ کس چالا کی سے اپنے بچّوں کی پرورش کوّوں سے کراتی ہے۔

شکنتلا - (غصّے کے مارے تھرتھراتی ہوئی) کمینے کہیں کے! ساری دُنیا کو تو اپنے جیسا سمجھتا ہے؟ کیا جانتی تھی کہ دھرم کے اس بھیس کے نیچے چھل کپٹ، گھاس پھوس سے ڈھکے ہوئے اندھے کنوئیں کی طرح چھپا ہوا ہے - پھر بھلا کون تیرا بھید پا سکتا ہے۔

راجا - (خود) اس عورت کا غصّہ بناوٹی نہیں ہے - لیکن اس کا کارن بس اتنا ہے کہ بن باسی بناوٹ کو کیا جانیں - وہ کن انکھیوں سے نہیں دیکھتی، آنکھوں میں لہو اُتر آیا ہے - کس دُرشت پیرایے میں بول رہی ہے - اور زبان ہے کہ رُکنے کا نام

نہیں لیتی۔ گلاب کی پنکھڑی کے سے ہونٹ یوں کانپ رہے ہیں جیسے جاڑے کے مارے کٹ گئے ہوں۔ اور بھنویں جو پہلے سے خم دار تھیں اب اور بھی ٹیڑھی ہو گئی ہیں۔ اس کے غصے نے، جس کے حقیقی ہونے میں کوئی شک نہیں۔ میری سمجھ بوجھ کو بھی چکر میں ڈال دیا ہے۔

جب مجھے اس کے ساتھ بیاہ ہونے کی یاد نہ آئی اور میں برابر یہی کہتا رہا کہ ہم میں تم میں کبھی پیت بیوہار نہیں ہوا تو غصے کے مارے اس کی آنکھیں اس طرح چڑھ گئیں گویا ابرو کو لچا کر کام دیو کی کمان کو ابھی توڑ دیں گی۔

(بآواز)۔ دیوی، دشنیت کی طبیعت سے سارا زمانہ واقف ہے۔ ایسی حرکت ہماری رعایا میں بھی نہ کسی نے دیکھی نہ سنی۔

شکنتلا۔ زمانے کی خوبی دیکھو کہ منہ در منہ مجھے آوارہ بتایا جا رہا ہے۔ پر وبنس کی شرافت پر بھروسا کر کے مجھ نصیب جلی نے اس مارِ آستین کو سب کچھ سونپ دیا۔ کیا جانتی تھی کہ اس کی زبان پر شہد ہے لیکن دل میں ہلاہل بھرا ہوا ہے۔

(منہ ڈھنک کر رونے لگتی ہے)

شارنگرو۔ سن لو کہ نفس کو بے لگام چھوڑو گے تو انجامِ کار

یوں ہی جلو گے۔

جب تک ایک دوسرے کو اچھی طرح جانچ پرکھ نہ لو کسی سے دل نہ لگاؤ۔ بنا جانے بوجھے پریم کرو گے تو ایک نہ ایک دن نا اُمیدی کا مُنہ دیکھو گے۔

راجا۔ ایک لڑکی کی بات پر ایسا اٹل ایمان کہ ساری تہمت میرے سر منڈھی جا رہی ہے۔

شارنگرو۔ سُن لیا بڑے لوگوں کا بڑ بول! جس نے جنم دن سے آج تک فریب کا نام نہیں سُنا اس کا بیان سفید جھوٹ! اور جو دھوکا دھڑی کو علم سمجھ کر سیکھتے ہیں اُن کی بات پتھر کی لکیر!

راجا۔ خیر یہی سہی۔ آپ سچے میں جھوٹا۔ لیکن یہ تو کہیے کہ اس سے گھات کر کے مجھے ملے گا کیا؟

شارنگرو۔ جہنم کی آگ!

راجا۔ کون باور کر سکتا ہے کہ پُرو کی اولاد جان بوجھ کر جہنم کی طرف جائے گی۔

شاردوت۔ (راجا سے مخاطب ہو کر)۔ جو بھی ہو، یہ آپ کی جورو ہے۔ آپ جانیے آپ کا کام جانے۔ رکھیے یا چھوڑیے۔ بیوی پر شوہر کو ہر قسم کا اختیار ہے۔

(شارنگرو سے) بھائی جان، اس حجت سے کیا حاصل؟ ہم نے گروجی کا کہا پورا کر دیا، اب واپس چلنا چاہیے۔ گوتمی ماتا، آپ آگے ہولیں۔ (سب جانے لگتے ہیں)

شکنتلا۔ (چیخ کر) یہ کیا؟ اس کپٹی نے مجھے تج دیا اور اب تم بھی مجھے ٹھکرا رہے ہو۔

گوتمی۔ (رک کر)۔ بیٹا شارنگرو، شکنتلا پھوٹ پھوٹ کر روتی ہوئی ہمارے پیچھے دوڑ رہی ہے۔ جس بدنصیب کو اس کا شوہر اس بے دردی سے ٹھکرا دے، وہ کرے بھی کیا۔

شارنگرو۔ (لوٹ کر، غصے سے) کیوں ری بے حیا، تو اتنی سرکش ہو چلی (شکنتلا ڈر کے مارے کانپنے لگتی ہے)

شارنگرو۔ اگر راجا سچ کہتا ہے تو تیرے باپ کو تجھ سے اب کیا واسطہ؟ تو نے خود خاندان کے بندھنوں کو توڑا ہے۔ اور اگر تو سچی ہے تو تیرا دھرم ہے کہ شوہر لونڈی بنا کے رکھے تب بھی اس کے قدموں میں پڑی رہ۔

راجا۔ سادھو، مہاراج، آپ اس بے چاری کو کیوں جھکمہ دیتے ہیں۔ چاند صرف جل سوسن کی مُنہ بند کلی کو کِھلاتا ہے اور سورج فقط کنول کے دل کی کنڈی ہلاتا ہے۔ اسی طرح دین دار کبھی

پرائی عورت کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتے۔

شارنگرو۔ مگر آپ جیسوں کو دھرم ادھرم کا کیا ڈر۔ آج کوئی نئی نویلی مل گئی تو آپ کو پچھلی باتوں کی سدھ کب رہ جاتی ہے۔

راجا۔ (اپنے پجاری سے) پنڈت جی، اب تمہیں اس گتھی کو سلجھاؤ جانے، یہ عورت جھوٹ بولتی ہے یا میرا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ اب تو میں اسی اُلجھن میں ہوں۔ پرائی عورت کو چھونے کا پاپ لوں یا اپنی بیوی کو گھر باہر کر دوں۔

پجاری۔ (سوچ بچار کر) مہاراج، ایک کام کیجیے۔

راجا۔ فرمائیے، فرمائیے۔

پجاری۔ زچگی تک اس خاتون کو میرے گھر رہنے دیجئے۔

راجا۔ اس سے کیا ہوگا؟

پجاری۔ بڑے بڑے رشی منیوں نے پیشین گوئی کی ہے کہ آپ کی پہلی اولاد ایک لڑکا ہوگا۔ جو دُنیا پر راج کرے گا۔ اگر اس رشی کماری نے بیٹا جنا اور اس میں وہ سب لچھن ہوئے تو آپ اسے رانی بنائیں۔ نہیں تو اسے تپ بن بھجوا دیں۔

راجا۔ آپ کی مرضی ہے تو یہی کیجیے۔

پجاری۔ بیٹی، میرے ساتھ آؤ۔

شکنتلا۔ دھرتی ماتا، تیری گود میں بھی میرے لیے جگہ نہیں؟ تو مجھے نگل کیوں نہیں جاتی؟

(روتی ہوئی پجاری کے ساتھ جاتی ہے۔ اور سب بھی چلے جاتے ہیں۔ اکیلا راجا اس قصّے پر غور کرتا ہوا رہ جاتا ہے، بد دُعا کی وجہ سے وہ سب کچھ بھولا ہوا ہے۔)

(پسِ پردہ)۔ کتنی عجیب بات ہے! معجزہ ہے معجزہ!

(پجاری بھاگا ہوا آتا ہے۔ حیرت کے مارے مبہوت ہے)

مہاراج اتنی عجیب بات ہوئی!

راجا۔ کیا ہوا بھئی؟

پجاری۔ جب کنو کے چیلے چل دیے تو وہ لڑکی اپنا سر پیٹنے لگی۔ اور سینہ کوٹنے لگی۔

راجا۔ ہاں، تو پھر؟

پجاری۔ اسی وقت ایک جوت عورت کے روپ میں ادھر سے اُتری اور اُسے گود میں اُٹھا کر 'اپسرا تیرتھ' کی طرف اُڑ گئی۔

(سب بھوچکّے سے رہ جاتے ہیں)

راجا۔ پنڈت جی، ہم نے تو پہلے ہی اسے اپنانے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر آپ کیوں ہک دھک ہوئے جاتے ہیں۔ جائیے،

اپنا کام کیجیے۔

پجاری۔(دیکھتے کا دیکھتا رہ جاتا ہے) بہت اچھا سرکار۔

(جاتا ہے)

راجا۔ دیتر دتی، میرا دل گھبرانے لگا۔ مجھے خواب گاہ تو لے چلنا۔

چوب دار۔ حضور ادھر تشریف لائیں۔

راجا۔ (چلتے چلتے۔ خود) مجھے یاد نہیں پڑتا کہ اس دوشیزہ سے کبھی میں نے دل لگایا تھا۔ لیکن میرا دکھتا ہوا دل کہتا ہے کہ نہیں وہ سچّی تھی۔

ڈراپ

چھٹا ایکٹ

شہر کی ایک گلی

تمہیدی منظر

(کوتوال - جو راجا کا سالا ہوتا ہے - اور دو پیادے ایک شخص کو باندھ کر لاتے ہیں)

پیادہ - (قیدی کو پیٹتے ہوئے) ابے چور! بتلا تو سہی، یہ انگوٹھی تیرے ہاتھ کیسے لگی - ایسی جڑاؤ انگوٹھی! اور اس پر تو راجا کا نام کُھدا ہوا ہے -

قیدی - مجھ پر رحم کھاؤ - میں چوری کیوں کرنے لگا -

پیادہ - اخّاہ! گویا آپ ایسے ہی مہاتما ہیں کہ راجا نے یہ انگوٹھی آپ کی نذر کر دی!

قیدی - بابا، میری بھی تو سُنو - میں شچی تیرتھ کا دھیّور ہوں -

پیادہ - بدمعاش کہیں کے! ہم تیری ذات پات پوچھتے ہیں؟

کوتوال- یارو، اسے بھی تو کچھ کہنے دو، بیچ میں نہ ٹوکو۔
دونوں پیادے- کوتوال صاحب جو کہتے ہیں وہی کر بے۔
قیدی- جال اور بنسی سے مچھلی پکڑ کر میں روٹیاں کماتا ہوں۔
کوتوال- (ہنس کر) کتنا شریف پیشہ ہے!۔
قیدی- سرکار یہ نہ کہیے- بھلا ہو یا بُرا، مگر کسی کے دھندے کو حقیر سمجھنا اچھا نہیں۔ بے زبان جانوروں کا قتل ظلم ہے، مگر وید پڑھنے والے برہمن قربانی کے لیے انہیں مارتے ہی ہیں۔
کوتوال- پھر لن ترانی ہانکنے لگا۔ کام کی بات کر۔
قیدی- ایک دن میں روہو مچھلی کا پیٹ چیر رہا تھا کہ اس میں سے ہیرا جڑی انگوٹھی نکلی۔ میں اسے بیچنے کے لیئے بازار لے گیا کہ آپ لوگوں نے دھر لیا۔

میں نے سچ سچ کہہ دیا۔ اب جی چاہے تو مارو، جی چاہے تو چھوڑ دو۔

کوتوال- بھئی پیادو، اس کے بدن سے مچھلی کی بُو تو آتی ہے۔ اس کے دھیور ہونے میں تو شک نہیں۔ مگر انگوٹھی کے معاملے کی جانچ پوری طرح ہونی چاہیئے۔ چلو اسے سرکار

ہیں لے چلیں۔

پیادے۔ بہت خوب! چل بے گرہ کٹ، چل!

(سب چلتے ہیں)

کوتوال۔ تم دونوں شہر دروازے کے سامنے اس کی چوکسی کرتے رہو۔ میں ابھی مہاراج کو انگوٹھی ملنے کی تفصیل سُنا کر اور ان کا فرمان لے کر آتا ہوں۔

(کوتوال جاتا ہے)

پیادے۔ جاؤ جاؤ۔ بہنوئی کی چاپلوسی کرو۔

پہلا۔ (کچھ دیر بعد) یار، سالے نے تو دیر لگا دی۔

دوسرا۔ راجاؤں سے وقت پر ہی ملاقات ہوتی ہے۔

پہلا۔ رہ رہ کر جی چاہتا ہے کہ اسے الوداعی پھول مالا پہنا دوں[1]۔

قیدی۔ واہ جی واہ! خواہ مخواہ کسی کی جان لوگے۔

پیادہ۔ (جھانک کر) لو، کوتوال صاحب ہاتھ میں راجا کا فرمان لیے اِدھر ہی آرہے ہیں۔

ابے چور، دیکھنا ہے کہ تو کتّوں کا ناشتہ بنتا ہے، یا چیل کوّوں کا کھاجا۔

---

[1] زمانۂ قدیم میں یہ رسم تھی کہ پھانسی سے پہلے مجرم کو پھولوں کے ہار پہنا کر رخصت کیا جاتا تھا۔ مترجم۔

کوتوال۔ (داخل ہوکر) اس دھینور کو فوراً رہا کرو، اس کا بیان صحیح نکلا۔

پیادے۔ جو حکم سرکار۔

بچو، موت کے منہ سے نکل آئے (بندھن کھول دیتے ہیں)

دھینور۔ (کوتوال کے پیروں پر گرکر) پربھوجی، آج کی روزی ماری گئی۔

کوتوال۔ یہ لے۔ سرکار نے اس انگوٹھی کا مول تجھے انعام میں دیا ہے۔

قیدی۔ (دام لے کر، پیر چھوتے ہوئے) اجی میں تو نہال ہوگیا۔

پیادہ۔ اِس بیش بہا انعام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انگوٹھی بڑی انمول ہوگی۔

کوتوال۔ میرا خیال ہے کہ انگوٹھی اپنے جواہرات کے سبب سے مہاراج کو عزیز نہ تھی بلکہ اسے دیکھ کر انھیں کسی پیارے کا دھیان آیا۔ حالاں کہ ان کی طبیعت میں بلا کی سنجیدگی ہے مگر اسے دیکھ کر تھوڑی دیر کے لیے وہ کھو سے گئے۔

پیادہ - یہ کیوں نہ کہیں کہ کوتوال صاحب نے آج اُن کا
بہت بڑا کام کیا -

دوسرا - میاں ، جو کہو ، کام تو اس دھنیور کا بنا -

(اسے حسد سے دیکھتا ہے)

دھنّیور - بھائی صاحب ، کُڑھتے کیوں ہو - ان رُپوں میں سے
آدھے لے کر وہ پھول مالا خرید لاؤ -

دونوں پیادے - واہ واہ ! ہووے کوئی ایسا دل دار !

کوتوال - بھئی دھنّیور ، آج سے تو ہمارا یار ہے - آؤ اس نئی
دوستی پر دارو کی مُہر لگائیں - چلو آؤ ، کلال کی دُکان کو !

تمہید ختم

[آسمان پر سانومتی نامی پری اُڑن کھٹولے میں بیٹھی ہوئی نظر آتی ہے]

سانومتی۔ اپسرا تیرتھ[1] میں جب تک بھلے مانسوں کے اشنان کی ساعت ہوتی ہے، ہم سب کو باری باری سے حاضری دینی ہوتی ہے۔ اب میں نچنت ہو گئی۔ چل کر ذرا اس راجا کا حال بھی دیکھوں۔ مینکا کے بہناپے کے ناتے شکنتلا کو میرے کلیجے کا ٹکڑا ہی سمجھو۔ اور مینکا ہی نے بیٹی کے کام کے لیے مجھے بھیجا ہے۔

(چاروں طرف دیکھ کر) ایں، جشنِ بہار کے زمانے میں راج محل میں یہ اُداسی کیسی؟ ٹھیرو، اگرچہ مجھے اس کی قدرت بھی ہے کہ گھر بیٹھے سارا بھید جان لوں، مگر سکھی کی منت کا پاس ہے، اس لیے جادو کی چدریا اوڑھ کر ان مالنوں میں جا بیٹھوں۔ یہ مجھے نہ دیکھ سکیں گی مگر میں ان کے ساتھ رہوں گی۔

(نیچے اُتر آتی ہے)

(ایک مالن آموں کی مور کو تکتی ہوئی آتی ہے۔ دوسری

---

[1] یہ جگہ ہستنا پور کے قریب تھی۔

اس کے پیچھے ہے)

پہلی - اری آم کی مور[۱]! تیرا رنگ کچھ ہرا، کچھ پیلا اور کچھ لال ہے - تو ہی جانِ بہار ہے، تو ہی حسنِ بہار ہے - آج تیرا اوّل دیدار ہے - پیاری، تو ہمیں نظر بد سے بچانا اور اس رُت کو برکت دینا -

دوسری - اے کویل! تو من ہی من میں کیا گنگنا رہی ہے؟

پہلی - اری مدھ مکھّی! آم کی گلی کو دیکھ کر کویل سُدھ بُدھ بھول جاتی ہے -

دوسری - (خوشی کے مارے لپک کر) کیا بسنت رُت واقعی آگئی -

پہلی - ہاں ری - اب تیرے لیے مدھ بھرے گیت گانے کے دن آگئے -

دوسری - سکھی! کام دیو کی پوجا کے لیے میں اس پیڑ سے مور کا گھّا توڑوں گی - تنک مجھے سہارا دے کر اوپر اُچکا دے -

پہلی - میں سہارا دوں گی تو پوجا کا آدھا پھل بھی لوں گی -

دوسری - جو تو نہ بھی کہتی تو کیا میں آدھا پھل نہ دیتی؟ ہم دونوں تو دو تن ایک من ہیں -

(سکھی کا سہارا لے کر مور توڑتی ہے)

---

[۱] ہندی میں 'مور' مونث ہے اور معنی کے اعتبار سے میں نے اس لفظ کو یوں ہی استعمال کیا ہے -

آہا! آم کی کلیاں[1] ابھی ہیں تو اَدھ کِھلی، مگر جس جگہ سے ٹوٹی ہیں وہاں کیسی سُہانی مہک دے رہی ہیں۔

(اوک بنا کر مور چڑھاتی ہے)

آم کلی، میں تجھے کام دیو پر چڑھاتی ہوں، جس نے ابھی کمان اُٹھائی ہے۔ تو اُس کے پانچ بانوں میں سب سے پینا بان بن کر پردیسیوں کی برہ گنوں کے دل میں رہا کیجو۔

(اتنے میں حاجب غصّے سے بڑبڑاتا ہوا آتا ہے)

حاجب۔ اری چھوکریو، سرکار نے حکم دیا تھا کہ اس سال بہار کا جشن نہیں منایا جائے گا۔ پھر تم نے آم کی کلیاں کیوں توڑیں؟

مالنیں۔ (ڈر کر) اس بار ہمیں معاف کر دیجیے۔ ہمیں معلوم نہ تھا کہ سرکار نے ایسا حکم دیا ہے۔

حاجب۔ اوہو، تمہیں دو لے نہیں سُنا۔ ورنہ چمن کے پیڑ پنچھیوں تک کے کان ہو گئے۔ اسی لیے تو آم کی کلیاں اتنے دنوں سے کِھلی ہوئی ہیں مگر ان میں پراگ آنے کا نام نہیں لیتا۔ اسی طرح کرسے کا پیڑ کلیا کر رہ گیا، پھولتا نہیں۔ سردی کا موسم بیت گیا مگر کویل کے گلے سے کوک

---

[1] سنسکرت میں "امرکالکا" یعنی "آم کی کلی" تھا۔ میں نے اُسے یوں ہی رہنے دیا ہے۔ مترجم

نہیں نکلتی۔ مجھے تو اس کا بھی کھٹکا ہے کہ کام دیو نے اپنا نیم کش تیر دوبارہ ترکش میں نہ ڈال لیا ہو۔

سانومتی۔ (خود) اِس میں شک نہیں کہ اس راجا رِشی کو بڑی قدرت حاصل ہے۔

ایک مالن۔ بڑے میاں، کوتوال صاحب نے ابھی اس دِن حضور کی خدمت میں ہمیں باریاب کیا۔ یہاں اس پھلواری کی رکھوالی ہمارے سپرد کی گئی۔ اجنبی ہونے کی وجہ سے یہ فرمان ہمارے کانوں تک نہیں پہنچا۔

حاجب۔ اچھا، آیندہ ایسی حرکت نہ کرنا۔

مالنیں۔ حضرت، اگر ہم جیسوں کو سنانے میں کوئی ہرج نہ ہو تو للہ بتائیے کہ بسنت کا جشن کیوں روک دیا گیا؟

سانومتی۔ (خود) انسانوں کو تو جلسہ جلوس کی بڑی چاٹ ہوتی ہے۔ کوئی ایسی ہی بات ہوئی ہوگی جو منع کر دیا۔

حاجب۔ (خود) جب دُنیا جہان کو معلوم ہو چکا تو کہنے میں کیا مضائقہ۔ (بآواز) شکنتلا کے تجے جانے کا قصّہ تم نے نہیں سُنا؟

مالنیں۔ کوتوال کی زبانی انگوٹھی ملنے تک کا حال سُنا ہے۔

حاجب۔ تو کہنے کو باقی ہی کیا رہ گیا۔

سُنو، اپنی انگوٹھی دیکھتے ہی مہاراج کو ہوش آیا کہ شکنتلا سے کبھی چھپ کر بیاہ کیا تھا اور بے سُدھی میں اُسے تج دیا۔ اُسی گھڑی سے وہ پچھتاوے میں پڑے ہیں۔ اب یہ حال ہے کہ کسی سے ہنسنا بولنا نہیں بھاتا۔ نہ پہلے کی طرح وزیروں کی بھیڑ رہتی ہے۔ راتیں بنا پلک جھپکائے سیج کی پٹیوں پر کروٹیں بدلتے بیتتی ہیں۔ رانیوں کا دِل رکھنے کے لیے کبھی کچھ کہتے ہیں تو غلطی سے ہر بار شکنتلا کا نام مُنہ سے نکلتا ہے اور شرما کر چپ ہو جاتے ہیں۔

سانومتی۔ (خود) یہ سُن کر میرا دل باغ باغ ہو گیا۔

حاجب۔ اسی ماتم کا سبب ہے کہ بسنت کا جشن روک دیا گیا۔

مالنیں۔ ایسا ہونا بھی چاہیئے تھا۔

(پسِ پردہ) حضور، ادھر تشریف لائیں۔

حاجب۔ (کان لگا کر) مہاراج ادھر ہی آرہے ہیں، جاؤ اپنا کام کرو۔

مالنیں۔ جی اچھا۔ (دونوں جاتی ہیں)

(راجا ماتمی لباس میں آتا ہے۔ مادھو، اور عرض بیگن ساتھ ہیں)

حاجب۔ (راجا کو دیکھ کر۔ خود) سچ ہے۔ اچھی صورت والے

ہر دھج میں آنکھوں کو بھاتے ہیں۔ ماتمی لباس میں بھی ہمارے مہاراج کی آن بان نرالی ہے۔

سب گہنے اُتار پھینکے ہیں، زیب و زینت کا کوئی سامان باقی نہیں، اکیلا ایک کنگن بائیں ہاتھ میں رہ گیا ہے، گرم سانسوں سے ہونٹوں کا رنگ پھیکا پڑ گیا ہے، سوچ میں نیند نہیں آتی، جاگتے ساری رات کٹتی ہے، اسی لیے آنکھوں میں لالی چھائی ہوئی ہے۔ مگر تجلّی کا یہ عالم ہے کہ یہ کانٹا سا بدن بھی نور کے سانچے میں ڈھلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے سان پر چڑھا ہوا ہیرا ہو۔

سانومتی۔ (راجا کو دیکھ کر۔ خود) اس توہین کے باوجود اگر شکنتلا اس کے فراق میں گھلی جا رہی ہے تو تعجب نہیں۔

راجا۔ (سوچ بچار میں مگن، ٹہلتے ہوئے) جب جانِ جاں نے دل بدبخت کو جگانے کے لاکھ جتن کیے تو وہ سوتا رہا۔ اب وہ پشیمانی کا غم جھیلنے کو جاگا ہے۔

سانومتی۔ (خود) اُس دُکھیا کے بڑے بھاگ ہیں۔

مادھو۔ (خود) ان حضرت پر شکنتلا کا بخار پھر چڑھ آیا۔ ان کے علاج کی کیا تدبیر کی جائے۔

حاجب۔ (پاس آکر)۔ مہاراج کی جے ہو۔
میں پھلواری کو بھلی بھانت دیکھ آیا۔جس نشاط گاہ
میں جی چاہے چل کر آرام فرمائیں۔
راجا۔ (عرض بیگن سے) جاکر دیوان جی سے کہو کہ دیر تک
جاگنے کے کارن مجھ میں آج دربار کرنے کی سکت نہیں
ہے۔ پرجا کا جو کچھ کام کاج ہو تو ہمیں لکھ بھیجیں۔
عرض بیگن۔ بہت خوب (باہر جاتی ہے)
راجا۔ داتاین، تم بھی اپنے کام پر جاؤ۔
حاجب۔ جو حکم سرکار (چلا جاتا ہے)
مادھو۔ چلیے، یہاں بھی جھاڑو پھر گئی۔
اب پھلواری کے اس کنج میں کچھ دیر جی بہلائیے۔ دیکھیے
بہار نے اس کی رونق میں چار چاند لگا دیے ہیں۔
راجا۔ مادھو! کہتے ہیں کہ مصیبت کو آنے کے لیے کوئی بہانہ
چاہیئے۔ شکنتلا کو تجنے کی یاد کا گھاؤ ابھی ہرا تھا کہ کام دیو
اپنی کمان پر آم کلی کا بان چڑھائے نمک پاشی کے لیے آپہنچا۔
مادھو۔ اجی ٹھیرو۔ سسرے کام دیو کے تیروں کی خبر اس ڈنڈے
سے لیتا ہوں۔

(ڈنڈے سے آم کی مور گرانے کی کوشش کرتا ہے)

راجا۔ (مسکراکر) رہنے بھی دو، برہمنوں کا بل دیکھ لیا! یہ کہو کہ ایسی بیلیں کدھر ہیں جنھیں دیکھ کر پیاری کا دھیان آتا ہے، وہیں چل کر آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاؤں۔

مادھو۔ مگر آپ نے اس لونڈی 'چترکا'، کو یہ حکم دے رکھا ہے کہ ہم دن بھر مادھوی کنج میں رہیں گے۔ ہم نے شکنتلا کی جو تصویر بنائی ہے اسے وہیں پہنچا جانا۔

راجا۔ دل کا خفقان بہلانے کو ایک یہی رہ گیا۔ چلو اسی طرف۔

مادھو۔ یوں آیئے۔ (دونوں چلتے ہیں اور سانومتی پیچھے پیچھے آتی ہے)

مادھو۔ جہاں بلّور کی چوکی بچھی ہوئی ہے۔ وہیں مادھوی کنج ہے۔ یہ کنج آپ کی نذر کے لیئے اپنی ساری خوش ادائی نچھاور کر رہا ہے۔ آیئے، یہیں بیٹھیں۔

(کنج میں جاکر بیٹھ جاتے ہیں)

سانومتی۔ (خود) اس بیل کی اوٹ سے میں شکنتلا کی تصویر دیکھ لوں، پھر چل کر اسے سناؤں کہ پیا اس پر کتنا ریجھا ہوا ہے۔

(ایک بیل کی اوٹ میں بیٹھ جاتی ہے)

راجا- بھائی، اب جاکر مجھے شکنتلا کا سارا قصہ یاد آیا- لیکن میں نے تمھیں بھی تو سب سُنایا تھا- حالاں کہ تم اُس وقت موجود نہ تھے- جب میں نے سرِعام اس کی توہین کی تھی، مگر اب تک تم نے بھول کر بھی اُس کا ذکر مجھ سے نہیں کیا- کیا میری طرح تم بھی یکسر اُسے بُھول گئے تھے؟

مادھو- یہ بات نہیں- سب کچھ سُنانے کے بعد چلتے چلتے آپ نے ٹیپ کا ایک بند بھی تو جڑ دیا تھا کہ یہ سب مذاق ہے، اسے حقیقت نہ سمجھ بیٹھنا- مجھ بدھو نے آپ کی اِس بات پر اعتبار کر لیا- ہونہار کب ٹلتا ہے-

سانومتی- (خود) ٹھیک کہا-

راجا- (مایوسی سے)- بھائی، مجھے اس کرب سے نجات دِلا-

مادھو- آپ نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے- مصیبت میں کوئی یوں بھی صبر کا دامن چھوڑتا ہے- آندھی میں بھی پہاڑ اٹل اور اچل رہتے ہیں-

راجا- لیکن کیا کروں- جب میں نے اُسے دھتکار دیا تو اس کی حالت ایسی زار تھی کہ یاد کر کے کلیجے میں ہُوک سی اُٹھتی ہے-

جب میں نے کہہ دیا کہ تجھے نہیں پہچانتا تو وہ اپنے سنگیوں کے پیچھے بھاگی۔ مگر ان میں سے ایک چیلے نے، جسے وہ اپنا بڑا مانتی تھی، گھڑک کر کہا کہ تجھے یہیں رہنا ہوگا۔ اس وقت اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے مجھ پر جو نظر ڈالی تھی، وہی نظر اب مجھ بے درد کو بِس میں بجھے ہوئے بان کی طرح جلائے ڈالتی ہے۔

سانومتی۔ (خود) اپنی غرض بھی کتنی پیاری ہوتی ہے! اس کے دُکھ کو دیکھ دیکھ کر میرا دل کِھلا جا رہا ہے۔

مادھو۔ میری سمجھ میں یہی آتا ہے کہ اُسے کوئی دیوتا اُٹھا لے گیا۔

راجا۔ ایسی ستی کو چھونے کی مجال کس کو ہوسکتی تھی؟ میں نے سُنا ہے کہ اس کی ماں منیکا نامی پری ہے۔ ہو نہ ہو اُسی کی سہیلیاں اُٹھا کر لے گئیں۔

سانومتی۔ (خود) حیرت اس وقت ہوتی ہے جب کسی کا ہوش جاتا ہے۔ ہوش آنے پر کیا حیرت؟

مادھو۔ اگر ایسی بات ہے تو اُس کے ملنے میں دیر نہیں۔

راجا۔ یہ کیسے جانا۔

مادھو۔ ظاہر ہے کہ ماں باپ اپنی بیٹی کو اُس کے دولھا سے

زیادہ دنوں الگ نہیں دیکھ سکتے۔

راجا۔ ہائے، شکنتلا کے ساتھ میرا ملاپ کوئی سپنا تھا؟ وہ سراب صحرا یا مایا کا کھیل تھا؟ یہ نہیں، تو کیا میرے پُن کا پھل تھا، جو دم بھر کے لیے جھلک دکھا کر اوجھل ہو گیا؟ جو بھی ہو وہ سُکھ پھر نہ لوٹے گا۔ میری تمنّا ایسی اگم میں جا پڑی جس کا کوئی اور چھور نہیں ہے۔

مادھو۔ یہ نہ کہیئے۔ یہ انگوٹھی ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ کھوئی ہوئی چیز مل بھی جایا کرتی ہے۔ بھگوان کی لیلا کو کوئی کیا سمجھے۔ مدت کے بچھڑے ہوئے یک بیک مل جایا کرتے ہیں۔

راجا۔ (انگوٹھی کو دیکھ کر) ہائے، یہ انگوٹھی بھی کتنی بدنصیب ہے یہ اس مقام سے جا گری ہے جہاں دوبارہ پہنچنا اس کے لیے ناممکن ہے۔ اری مُندری! تیرے انجام سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ تو بھی میری طرح بھاگ کی کھوٹی ہے، کیونکہ ان حنائی اُنگلیوں تک ایک بار پہنچ کر تو پھر نیچے گر پڑی۔

سانومتی۔ (خود) اس انگوٹھی کے نصیب تبھی پھوٹتے جب وہ کسی اور کی اُنگلی میں ہوتی۔

مادھو۔ آپ نے یہ نہیں بتایا کہ یہ انگوٹھی شکنتلا تک کس طریقے

سے پہنچی۔

سانومتی۔(خود) میں خود بھی یہ معلوم کرنا چاہتی تھی۔

راجا۔ جب میں تپ بن سے راجدھانی کو لوٹنے لگا تو میرے محبوب نے آنکھوں میں آنسو لاکر پوچھا کہ ساجن، پھر کب سُدھ لوگے؟

مادھو۔ ہاں، تب؟

راجا۔ اس کے جواب میں یہ انگوٹھی اس کی اُنگلی میں پہنا کر میں نے کہا کہ اس میں جتنے اچھّر ہیں انھیں تم ہر روز ایک ایک کرکے گِنا کرنا۔ جس دن وہ ختم ہو جائیں تو سمجھ لینا کہ آج پیہر سے کوئی لینے آئے گا۔

لیکن، ہائے مجھ نردئی کو اس کی سدھ ہی نہ رہی۔

سانومتی۔(خود) سنجوگ کا کیسا پیارا ڈھنگ نکالا تھا۔ مگر قسمت نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔

مادھو۔ خبر نہیں، یہ انگوٹھی مچھلی کے پیٹ میں کیسے پہنچ گئی۔

راجا۔ جب شکنتلا نے شچی تیرتھ میں پوجا کے لیے ہاتھ میں پانی لیا تو یہ گنگا جی میں گر پڑی ہوگی۔

سانومتی۔(خود) اخاہ، تبھی تو پاپ کے ڈر سے یہ بے چارہ بیاہ

کے بارے میں دبدھا میں پڑ گیا۔

مگر ایسا تھا تو انگوٹھی دیکھتے ہی وہ اس کے پریم میں باؤلا کیوں ہو گیا۔

راجا۔ اِسی لیے میں اس انگوٹھی کو خوب ملامت کروں گا۔

مادھو۔ (خود) لو، یہ تو مجنونوں کی سی باتیں کرنے لگا۔

راجا۔ اری مندری! ان نازک نازک انگلیوں سے جُدا ہو کر پانی میں گرنے کی ہمّت تجھے کیسے ہوئی؟ لیکن یہ تو ایک بے جان شے ہے۔ مجھے دیکھو کہ ہوش و حواس رکھتے ہوئے اُسے تج دیا۔

مادھو۔ (خود) یہ حضرت اپنے دھیان میں مگن ہیں۔ یہاں بھوک مجھے کھائے جا رہی ہے۔

راجا۔ پران پیاری میں نے بلا وجہ تجھے تج دیا۔ مگر اب میرا دل پچھتاوے کے مارے ٹوک ٹوک ہوا جا رہا ہے۔ مجھ پر رحم کھا اور ایک بار پھر اپنی چھب دکھا۔

(چترکا نامی باندی تصویر لیے آتی ہے)

باندی۔ مہارانی کی تصویر حاضر ہے۔ (تصویر دکھاتی ہے)

مادھو۔ (غور سے دیکھ کر) اس تصویر کے کیا کہنے ہیں! ایسا بانکا

قلم پھیرا ہے کہ مورت آنکھوں کے آگے آجاتی ہے۔میری نگاہ تو بہن کے کندن سے گات میں کھوئی سی جاتی ہے زیادہ کیا کہوں۔بس یہ لگتا ہے کہ وہ جیتی جاگتی سامنے کھڑی ہیں اور بات کرنے کو جی چاہتا ہے۔

سانومتی۔(خود) آفریں ہے راجا کے کمال پر! مجھے خود گمان ہو چلا تھا کہ سکھی شکنتلا سامنے کھڑی ہوئی ہے۔

راجا۔چتیروں کی ریت ہے کہ جو چیز تصویر میں بیان نہ ہو سکے اس کا اظہار دوسرے طریقے سے کر دیتے ہیں۔میں نے بھی اس میں یہی کیا ہے۔تاہم اس کے روپ کی چھب شاید کچھ کچھ ان لکیروں میں جھلک آئی ہو۔

سانومتی۔(خود) یہ انکسار اس کی سچی محبّت پر دلالت کرتا ہے۔

مادھو۔اماں، اس میں تو تین تین حسینوں کا جھگڑا ہے۔ان میں بہن شکنتلا کون سی ہے!

سانومتی۔(خود) جب اس نے اس پیکرِ حسن کو نہیں دیکھا تو اُسے آنکھ کا اندھا ہی سمجھنا چاہیے۔

راجا۔مادھو، یہ تو تمھیں ہی بوجھنا ہوگا۔

مادھو۔(غور سے دیکھ کر) میری دانست میں شکنتلا تو وہی ہوگی

جو اس آم کے پیڑ کا سہارا لیے کھڑی ہے جس کی نئی کونپلیں سینچائی کے کارن جگمگ جگمگ کر رہی ہیں۔ اس کا جوڑا ڈھیلا ہوگیا ہے تو بالوں میں کھنسے ہوئے پھول نیچے ڈھلک رہے ہیں اور وہ تھکن کے مارے کچھ نڈھال بھی ہوگئی ہے۔ کیونکہ مکھڑے پر پسینے کی بوندیں ٹپک رہی ہیں اور باہیں بالکل ڈھل گئی ہیں۔

اس کے آزو بازو دونوں سکھیاں ہیں۔

راجا۔ میں تمہاری چترائی کا قائل ہوگیا۔ لیکن اس میں تم نے میرے جذبات کا اثر نہیں دیکھا۔ دیکھو تصویر کے کنارے پسیجی ہوئی انگلیوں سے میلے ہوگئے ہیں، اور گال پر جہاں میرے آنسو کی ایک بوند ٹپک پڑی تھی وہاں کا رنگ اڑ گیا ہے۔

(باندی سے) اری چترکا! اس میں کنج کا خاکہ تو ادھورا ہی رہ گیا۔ جانا، کوچی تو اٹھا لانا۔

باندی۔ بہت خوب! مادھو جی، جب تک میں آؤں اس چوکھٹے کو تھامے رہنا۔

راجا۔ نہیں، لاؤ مجھے دو۔

(تصویر اپنے ہاتھ میں لیتا ہے، باندی جاتی ہے)

راجا۔ جب وہ خود سے میرے پاس آئی تو میں نے بے دردی سے ٹھکرا دیا اور اب اس کی تصویر پر جل بل جا رہا ہوں۔

بھائی، میری گت وہی ہے کہ کوئی بہتی ہوئی ندی
سے اتر کر سراب کے پیچھے بھاگنے لگے۔

مادھو۔ (خود) میری رائے بھی یہی ہے۔

(باآوازہ) کیوں صاحب، اس میں اب کیا بنانا رہ گیا؟

سانومتی۔ (خود) میں سمجھتی ہوں کہ اب وہ جگہیں بنائی جائیں گی جو میری سکھی کو پیاری تھیں۔

راجا۔ سنو، مالنی ندی کا ایک منظر بنانا ہے جس کی ریتی پر ہنس کے جوڑے کللیں کر رہے ہوں، دونوں طرف ہمالیہ کی پہاڑیاں پھیلی ہوئی ہوں اور ان پر ہرنوں کے جھنڈ جگالی کر رہے ہوں میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ ایک ایسا پیڑ دکھایا جائے جس کی ڈالیوں پر چھال کے کپڑے سوکھ رہے ہوں اور نیچے ایک ہرنی اپنی بائیں آنکھ کسی کالے ہرن کے سینگ سے کھجا رہی ہو۔

مادھو۔ (خود) میری مانیے تو اس تصویر کو ڈاڑھیل جوگیوں سے بھر دیجیے۔

راجا- اماں، یہاں شکنتلا کا وہ من بھاتا گہنا دکھانا تھا، یہ یاد ہی نہ رہا۔

مادھو- کون سا گہنا؟

راجا- جیسا بن کی ناریوں کا ہوتا ہے۔

بھئی، کانوں میں سرس کے پھولوں کا جھومر ہونا چاہیے جس کے زرتار گالوں کو چوم رہے ہوں اور چھاتی پر کنول نال کی مالا جو چاند کی کرن کی طرح نازک ہو۔

مادھو- ایک بات سمجھ میں نہ آئی۔ اپنے مُکھڑے کو لال کمل کے ڈنٹھل جیسے ہاتھوں سے چھپائے، یوں حیران پریشان کیوں کھڑی ہیں؟ (غور سے دیکھ کر) اوہو، یہ حرام زادہ بھونرا —— پھولوں کے رس کا چور —— ان کے گُل رخ پر جھپٹ رہا ہے۔

راجا- اس ڈھیٹ بھونرے کو نکالو۔

مادھو- بابا، سرکشوں کی مرمت آپ سے بہتر کون کر سکتا ہے؟

راجا- اس سے کہو کہ تو تو پھول بیلوں کا مہمان ہے۔ وہاں جا، یہاں ناحق کیوں منڈلا رہا ہے۔

ارے دیوانے! تیری بھونری اُس پھول پر بیٹھی تیرا انتظار کر رہی ہے۔ تیرے بنا اُس سے رس نہیں پیا جاتا۔

سانومتی۔ (خود) کس خوب صورتی سے بھونرے کو تنبیہ کی ہے۔
مادھو۔ اجی، بھونروں کی ذات کہیں ہٹائے ہٹتی ہے۔
راجا۔ ارے بھونرے، اگر تو سیدھے سے میرا کہا نہ مانے گا
تو پھر سمجھ لے۔

میری جانی کے ہونٹ ایسے نرم ہیں جیسے نئی کونپل۔
اسی لیے ملاپ کی گھڑی میں نے بہت دھیرے دھیرے
ان کا رس پیا تھا۔ اگر تو ان ہونٹوں کو چھونے کا جتن کرے گا
تو تجھے میں کنول کے دل کے اندر بند کردوں گا[۱]

مادھو۔ غضب ہے اگر یہ اتنی سخت سزا سے نہ ڈرے۔
(ہنس کر۔ خود) یہ تو سڑی ہو ہی گیا اور میں بھی اس کی سنگت
میں واہی تباہی بکنے لگا۔
(بآواز) بھائی صاحب، یہ تصویر ہے، بے جان تصویر!
راجا۔ ایں کیا کہا؟
سانومتی۔ (خود) واقعی، اس وقت تو میں بھی بھول گئی تھی کہ یہ
فقط تصویر ہے۔ پھر جس نے اسے بنایا اسے کیسے سدھ

---

[۱] کہتے ہیں کہ شام کو جب کنول کا منہ بند ہو جاتا ہے، تو کبھی کبھی اس پر بیٹھا ہوا بھونرا اندر ہی رہ جاتا ہے اور صبح تک وہیں گرفتار رہتا ہے۔ یہ ہندو شاعری کا ایک مقبول موضوع ہے۔

رہ سکتی تھی؟

راجا۔ ارے نادان، میں تو اپنی جانِ جاں کے درشن کا سُکھ اُٹھا رہا تھا اور میرا من مندر اُس کے اُجالے سے مُنوّر ہو گیا تھا۔ تو نے کیوں یاد دلا دی کہ یہ تصویر ہے۔ اب تک وہ میرے آگے چل پھر رہی تھی لیکن اب پھر تصویر کے سوا کچھ نہ رہا (رونے لگتا ہے)

سانومتی۔ (خود) برہ کی کیفیت بھی نرالی ہے کہ ایک آن میں ایک رنگ آتا ہے تو ایک رنگ جاتا ہے۔

راجا۔ میت، میں گھڑی گھڑی کا یہ دُکھ کہاں تک سہوں۔ رات جاگتے بیت جاتی ہے، اس لیے سپنے میں اُسے دیکھنے کی آس بھی جاتی رہی۔ اور جب تصویر دیکھتا ہوں تو آنکھوں میں خود بخود آنسو بھر آتے ہیں اور اُن کی دھندلاہٹ میں کچھ نظر نہیں آتا۔

سانومتی۔ (خود) یہ آنسو شکنتلا کے دل سے توہین کے داغ دھو دیں گے۔ (باندی لوٹ کر آتی ہے)

باندی۔ سرکار، میں رنگوں کا ڈبّا لیے اِدھر آ رہی تھی۔

راجا۔ تو کیا ہوا؟

باندی۔ رانی بسومتی نے اپنی مغلانی کے ساتھ راہ روک کر میرے
ہاتھ سے ڈبا چھین لیا اور کہا کہ میں خود چل کر مہاراج کو دوں گی۔

مادھو۔ لڑکی، جان بچ گئی، اسی کی خیر منا۔

باندی۔ رانی کا پلّو ایک جھاڑی میں اُلجھ گیا اور مُغلانی اُسے چھڑانے
میں لگ گئی، اتنے میں میں چپکے سے نکل بھاگی۔

راجا۔ بھائی، رانی بسومتی سوتاپے کی ڈاہ میں جلی بھُنی آ رہی ہے۔
خدارا اس تصویر کو بچا لے۔

مادھو۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ اپنی جان بچا لے۔
(تصویر اُٹھا کر) جب رنواس کی بدلی برس کر کھُل جائے تو مجھے
میگھ بھون، سے بلا لینا۔ (بھاگتا ہے)

سانومتی۔ (خود) کسی اور پر جان دینے کے باوجود یہ اپنی پہلی پیت
نباہتا ہے۔ مگر اس رانی سے اُسے اب زیادہ لگاؤ نہیں رہا۔
(عرض بیگن ہاتھ میں ایک پرچہ لیے آتی ہے)

عرض بیگن۔ مہاراج کی جے ہو۔

راجا۔ تو نے رانی بسومتی کو ادھر آتے تو نہیں دیکھا؟

عرض بیگن۔ سرکار، ملی تو تھیں، لیکن میرے ہاتھ میں ایک عرضی
دیکھ کر اُلٹے پانو پھر گئیں۔

راجا۔ وہ موقع محل پہچانتی ہیں۔ راج کاج میں خلل ڈالنا نہیں چاہتیں۔

عرض بیگن۔ مہاراج! دیوان جی نے بنتی کی ہے کہ خزانے میں اتنا روپیہ آیا کہ اُس کے حساب سے فرصت نہ ملی۔ صرف ایک معاملے کی جانچ ہو سکی جسے تحریر بند کرکے حضور میں گزار رہا ہوں۔

راجا۔ کیا ہے، دیکھوں تو سہی۔

(عرض بیگن پرچہ دیتی ہے)

راجا۔ (پڑھتے ہوئے)۔ دھن میت نامی سمندر کا بیوپاری ڈوب کر مرگیا۔ وہ لاولد ہے، اِس لیے اس کا دھن مال بحقِ حکومت ضبط ہونا چاہیئے۔

(رنجیدہ ہوکر) لاولدیت بھی کتنا اندوہ ناک امر ہے! لیکن اس جگت سیٹھ کی تو کئی بیویاں ہوں گی۔ فیصلے سے پہلے یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ اُن میں سے کوئی حمل سے تو نہیں ہے۔

عرض بیگن۔ مہاراج! سُنا ہے کہ اس کی ایک بیوی اجودھیا کے کسی سیٹھ کی بیٹی ہے۔ ابھی اس کے گھر چھٹی منائی جارہی تھی۔

راجا۔ اس صورت میں دیوان کو جتا دینا چاہیئے کہ یہی بچہ اپنے باپ کا وارث ہوگا۔

عرض بیگن۔ بہت خوب۔ (جانے لگتی ہے)

راجا۔ اور سنو۔

عرض بیگن۔ ارشاد؟

راجا۔ اولاد نہ ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ نگر میں ڈھنڈورا پیٹ دو کہ پرجا میں پاپیوں کے سوا جس کسی کو بھائی بند کا بجوگ ہو وہ دُشینت کو اس کی جگہ سمجھے۔

عرض بیگن۔ حکم کی تعمیل ہوگی۔ اُسے سُن کر سب کو ایسی خوشی ہوگی جیسے سوکھے میں برکھا ہونے لگے۔

راجا۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر) جس گھر میں کوئی دیا جلانے والا نہ ہو اس کی دولت اسی طرح غیروں کے ہاتھ لگتی ہے۔ جب میں نہ ہوں گا تو پُرو گھرانے کی لچھمی کا وہی حال ہوگا جو بنجر کی کھیتی کا ہوتا ہے۔

عرض بیگن۔ بھگوان ہمیں اس دن سے بچائیں۔

راجا۔ دھکار ہے مجھ پر کہ میں نے گھر آئے ہوئے سُکھ کو تج دیا۔

سانومتی۔ (خود) میری سکھی کی یاد کر کے یہ اپنے پر لعنت ملامت

کر رہا ہے۔

راجا۔ بیوی ہی گھرانے کی لاج ہوتی ہے اور پھر وہ تو میری اولاد کو جنم دینے والی تھی۔ میں نے اُسے اسی طرح نکال دیا جیسے فصل آنے کے موسم میں کسان اپنی بوئی ہوئی کھیتی کو چھوڑ دے۔

سانومتی۔ (خود)۔ ارے نادان! تیرا بنس تو رہتی دُنیا تک رہے گا۔

باندی۔ (عرض بیگن سے) نوج! اس مُردار سیٹھ کا قصّہ سُن کر سرکار کیسے ہراساں ہوگئے۔ جاؤ میگھ بھون سے مادھو کو بلا لاؤ۔ وہی انھیں سنبھال سکتا ہے۔

عرض بیگن۔ ٹھیک کہتی ہو۔ (جاتی ہے)

راجا۔ لعنت ہے مجھ پر! میرے پُرکھوں کی آتما پر کیا بیت رہی ہوگی۔ وہ سوچتے ہوں گے کہ دُشینت کے بعد ہم پر کون فاتحہ پڑھے گا۔ اور اب بھی میرے دیئے ہوئے پانی کو رُو رُو کر پیتے ہوں گے۔

(شدّت غم سے بے ہوش ہوجاتا ہے)

باندی۔ (گرتے ہوئے کو تھام کر)۔ حضور، یہ کیا! ہوش میں آئیے۔

سانومتی۔ (خود)۔ ہائے۔ اس گھڑی اس کی وہی حالت ہے جیسے

سامنے رکھے ہوئے ڈیوٹ پر پردہ پڑنے سے کسی کو اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دیتا ہے۔ میں تو ابھی اس کا دُکھ دُور کر دیتی، مگر کیا عرض کروں - اندر بھگوان کی ماتا کو شکنتلا کو یہ سمجھاتے سُن چکی ہوں کہ دیوتا ایسا جتن کر رہے ہیں کہ جس سے تیرا دولھا تھوڑے دنوں میں خود ہی تیری زندگی اُجالنے آئے گا۔ اس لیے جب تک وہ نیک ساعت نہ آئے مجھے کچھ نہ کرنا چاہیے۔ ہاں اتنا تو کروں گی کہ اپنی پیاری سکھی کو یہ ساری داستان سُناؤں تاکہ اُسے کچھ دھیرج بندھے۔

(ناچتی ہوئی چلی جاتی ہے)

(پس پردہ)۔ خون! خون! دوڑو، بچاؤ!

راجا۔ (ہوش میں آکر) ایں! یہ تو مادھو کی سی چیخ ہے! ارے کوئی ہے؟

(عرض بیگن گھبرائی ہوئی آتی ہے)

عرض بیگن۔ حضور، اپنے دوست کو مصیبت سے بچائیے۔

راجا۔ کیوں، کیا کوئی اُسے ستا رہا ہے؟

عرض بیگن۔ مہاراج! جانے وہ موا بھوت ہے یا پریت ہے کہ کسی کو نظر نہیں آتا۔ اس نے مادھو کو مشکیں کس کر میگھ بھون کی منڈیر پر ڈال دیا ہے۔

راجا۔ (اُٹھ کر) کیا کہا؟ میرے محلوں میں بھوت پریت بھی آنے لگے!

(رُک کر)۔ مگر حیرت کیا۔ جب انجانے میں میں آئے دِن پاپ کرتا ہوں اور خود اپنے کیے کو نہیں جانتا تو یہ کیسے معلوم کر سکتا ہوں کہ پرجا میں کون کس راہ پر چلتا ہے۔

(پسِ پردہ) ارے میت، کہاں گیا؟ دوڑ بھائی!

راجا۔ (لپکتا ہوا)۔ بھائی، گھبراؤ نہیں، میں آیا۔

(پسِ پردہ) گھبراؤں کیسے نہیں۔ کوئی میری گردن کو گنے کی پور کی طرح مروڑے ڈالتا ہے۔

راجا۔ (اِدھر اُدھر دیکھ کر) کوئی میرا تیر کمان تو لانا۔

بھیلن۔ (تیر کمان دے کر) مہاراج! لیجیے دست پوش اور کمان۔

(راجا انھیں لے لیتا ہے)

(پس پردہ) میں تیرے لہو کا پیاسا ہوں، جیسے شیر تڑپتے ہوئے شکار کو مارتا ہے ویسے ہی میں تجھے کھاؤں گا اب بتا، دُکھیوں کا رکھوالا، دُشنیت جو بڑا تیر انداز بنتا ہے، کہاں ہے؟ بچائے نا تجھے آکر!

راجا۔ (غصّے سے) ایں! یہ تو مجھے چنوتی دینے لگا۔ ابے کفن چور! ٹھیر، موت تیرے سر پر منڈلا رہی ہے۔

(چلّہ چڑھاکر) کوئی ہے، مجھے راستہ تو دکھانا۔

عرض بیگن۔ راستہ یہ ہے مہاراج۔

(دونوں تیزی سے چلتے ہیں)

راجا۔ (چاروں طرف دیکھ کر) لیکن یہاں تو کوئی نہیں ہے۔

(پسِ پردہ)۔ للّٰلہ مجھے بچاؤ۔ مہاراج، میں تو تمھیں دیکھ رہا ہوں، تم مجھے کیوں نہیں دیکھ سکتے۔ میری حالت بلّی کے پنجوں میں پھنسے ہوئے چوہے کی سی ہے۔

راجا۔ او جادوگر! میں تجھے نہیں دیکھ سکتا تو کیا ہوا، میرا بان تو تجھے دیکھے گا۔ لے، اب میں بان چڑھاتا ہوں۔ تیرے سینے کو چھید کر یہ اُس برہمن کو صاف اسی طرح بچا لے گا جیسے ہنس پانی میں سے دودھ نکال لاتا ہے۔

(بان چڑھاتا ہے)

(مادھو کو چھوڑ کر ماتلی آتا ہے)

ماتلی۔ مہاراج! اندر بھگوان نے تو راکششوں کو آپ کے بانوں کا ہدف مقرر کیا ہے۔ آپ اُنہی پر بان چھوڑیں۔ اپنوں پر رحمت کی بارش ہونی چاہیے نہ کہ تیروں کی یورش۔

راجا۔ (بان اُتار کر) اِندر کے رتھ بان! تم یہاں کہاں بھلے پدھارے۔

(مادھو آتا ہے)

مادھو- ایں، جو مجھے قربانی کے بکرے کی طرح حلال کر رہا تھا، اس کی یہ آؤ بھگت!

ماتلی- (مسکرا کر)- مہاراج! سُنیے کہ مجھے اِندر نے آپ کی خدمت میں کیوں بھیجا ہے؟

راجا- میں دھیان لگا کر سُن رہا ہوں-

ماتلی- راکششوں کا ایک گھرانہ "درجے" نامی ہے-

راجا- ہاں، نارد مُنی سے میں اُس کا ذکر سُن چکا ہوں-

ماتلی- اِندر بھگوان بھی اس کا سر نیچا نہ کر سکے- اب اس کام کے لیے انہوں نے آپ کو چُنا ہے- رات کے اندھیرے کو سُورج دور نہیں کر سکتا تو چاند یہ کام انجام دیتا ہے-

اب آپ ہتیار باندھ کر کمر کس لیں اور اِندر کے رتھ پر بیٹھ کر بیری سے رَن کے لیے چلیں-

راجا- اندر دیوتا نے مجھے بڑی عزّت بخشی- مگر یہ تو کہو کہ تم نے مادھو کو کیوں اتنا ستایا-

ماتلی- جب میں نے کسی کارن آپ کو اُداس پایا تو جوش دلانے کے لیے یہ تماشا کیا- جب تک ایندھن کُریدا نہ جائے،

آگ بھڑکتی نہیں۔ جب تک سانپ چھیڑا نہ جائے، پھن نہیں اُٹھاتا۔ جب تک آدمی کی خودداری کو ٹھیس نہ لگے، وہ بلندی کی طرف نہیں جاتا۔

راجا۔ (مادھو کے کان میں) بھائی اندر دیوتا کا حکم ٹالا نہیں جاسکتا تم دیوان جی کو یہ خبر سُنا کر میری طرف سے کہنا کہ جب تک میں اس کام میں مصروف ہوں تب تک وہ اکیلے ہوشیاری سے پرجا کی سیوا کریں۔

مادھو۔ بہت خوب (باہر جاتا ہے)

ماتلی۔ مہاراج، اب رتھ پر سوار ہوں۔

(رتھ میں بیٹھ کر دونوں چل دیتے ہیں)

ڈراپ

ساتواں ایکٹ

جنّت کا راستہ

(دُشینت اور ماتلی رتھ میں بیٹھے ہوئے آکاش سے اُترتے ہیں)

راجا۔ بھئی ماتلی، یہ سچ ہے کہ میں اندر کا حکم بجالایا، تاہم اُنھوں نے مجھ پر جیسی نوازش کی میں ہرگز اس کا مستحق نہ تھا۔

ماتلی۔ مہاراج، آپ دونوں کو یہی شکایت ہے۔ آپ نے اندر پر بڑا احسان کیا۔ لیکن اسے ان کی آؤ بھگت کے مقابلے میں حقیر سمجھتے ہیں۔ اِدھر اندر اپنی نوازش کو آپ کی شجاعت کے مقابلے میں کچھ نہیں گنتے۔

راجا۔ یہ نہ کہو۔ آتے وقت اُنھوں نے میری اتنی عزت افزائی کی کہ میں تصوّر میں بھی نہ لا سکتا تھا۔

جنّتی پھولوں کا ہار، جس پر اُن کے سینے میں لگے ہوئے چندن کی مہک بس گئی تھی۔ گلے سے اُتار کر مجھے پہنا دیا۔

پہناتے پہناتے اِندر نے ایک آنکھ اپنے بیٹے کو دیکھا جو رشک سے اس ہار کو تک رہا تھا۔ یہی نہیں بلکہ سب دیوتاؤں کی موجودگی میں مجھے اپنے ساتھ سنگھاسن پر بٹھالیا۔

ماتلی۔ لیکن یہ بھی تو سوچیے کہ آپ کی جتنی عزت کی جائے کم ہی ہے کیونکہ جنت سے جناتوں کو نکالنے والے دو ہی ہوئے ہیں ایک نرسنگھ جی کے تیز ناخون[۵۱]، دوسرے آپ کے پینے بان۔

راجا۔ اماں، یہ بھی اندر بھگوان کی دین ہی سمجھو ورنہ ہم کیا۔ غلام سے کوئی بڑا کام ہو جائے تو اُسے آقا کی بڑائی کا پھل جانو۔ اگر سورج شفق کو اپنی سواری کے آگے جگہ نہ دیتا تو اس کی کیا مجال تھی کہ تاریکی کا دامن چاک کرتی۔

ماتلی۔ یہ انکسار ہی آپ کا بڑا پن ہے۔

(تھوڑی دور چل کر) مہاراج، دیکھیے تو سہی کہ آپ کے کارناموں کی گونج عرش میں بھی سنائی دے رہی ہے۔

اپنی سجنیوں کے سنگار سے بچے ہوئے مہاور، کستوری اور چندن کو لے کر یہ دیوتا بہشتی بیڑوں پر آپ کے چرت کے گیت لکھ رہے ہیں۔

---

[۵۱] پرانک تلمیحات۔ ۹

راجا۔ جاتے وقت، جوش کے مارے ہم نے توجہ نہیں کی تھی۔ لیکن اب فردوس کی ہوائیں میری رُوح کے ہر ہر تار کو مسرور کر رہی ہیں۔

(رتھ کے پہیوں کو دیکھ کر) شاید اب ہم بادلوں کی سطح پر اتر آئے۔

ماتلی۔ آپ نے کیسے جانا؟

راجا۔ تمہارا رتھ صاف بتلا رہا ہے کہ ہم آب بردوش بادلوں میں سے ہو کر جا رہے ہیں کیونکہ پہیے بھیگے ہوئے ہیں۔ اور ان کے دھروں میں سے ہو کر چکور یہاں وہاں اُڑ رہے ہیں اور بجلی کی جوت میں گھوڑے رہ رہ کر چمک اُٹھتے ہیں۔

ماتلی۔ اب میں آناً فاناً آپ کو راجدھانی پہنچا دوں گا۔

راجا۔ تیزی سے اترتے ہوئے، ہماری دُنیا کتنی عجیب معلوم ہو رہی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ پہاڑ اوپر اُٹھتے جاتے ہیں اور ان کی چوٹی پر رکھی ہوئی زمین نیچے کھسکتی جاتی ہے۔ پیڑوں کے تنے جو پہلے پتوں میں ڈھنکے ہوئے تھے اب اُجاگر ہو گئے ہیں۔ ندیوں کا پاٹ چوڑا ہوتا جاتا ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ ساری دُنیا کو کسی نے اوپر اُچھال دیا ہے۔

ماتلی۔آپ کی نگاہ واقعی دور رس ہے۔

(زمین کو حیرت سے دیکھ کر) آپ کی دُنیا دراصل بہت شان دار اور خوب صورت ہے۔

راجا۔ماتلی، پورب پچھم کے سمندروں کے بیچوں بیچ یہ کون سا پربت ہے جس سے پگھلا ہوا سونا سا بہہ رہا ہے، گویا شام کی بدلیوں کو ایک ہار میں گوندھ دیا ہو۔

ماتلی۔مہاراج، اس پہاڑ کا نام ہیم کوٹ ہے اور اس میں براق[1] رہتے ہیں۔وہ دیکھیئے، برہما کے پوتے کشیپ رشی اس میں تپسیا کر رہے ہیں۔

راجا۔اچھا! تو لگے ہاتھوں ان کا آشیرباد لیتے کیوں نہ چلیں۔ ان کے چرن چھونے کا اس سے بہتر کون سا موقع ہو سکتا ہے۔

ماتلی۔آپ کا یہ خیال مجھے جی جان سے پسند آیا۔(دونوں اترتے ہیں)

راجا۔(تعجب سے) رتھ کے پہیوں کی کچھ آہٹ نہ ہوئی، نہ دھول اُڑی، نہ دھچکا لگا، نہ یہ معلوم ہوا کہ ہم کب اُتر آئے۔

ماتلی۔آپ کے اور اندر کے رتھ میں بس یہی تو فرق ہے۔

راجا۔کشیپ کا آشرم کہاں ہے؟

---

[1] براق۔کِنّر+

ماتلی۔ وہ دیکھیے، جہاں ایک جوگی سوکھے ڈنڈے کی طرح سورج کو ایک ٹک دیکھتا ہوا اچل کھڑا ہے۔ اس کا آدھا جسم دیکوٹے میں دھنس گیا ہے اور جنیؤ کی جگہ سانپ کی کیچلی لپٹی ہوئی ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کی جٹاؤں میں چڑیوں نے گھونسلے بنا لیے ہیں اور گلے میں سوکھی بیلوں کے اُلجھٹے پھنسے ہوئے ہیں۔

راجا۔ اس مہاتما کو میں پرنام کرتا ہوں۔

ماتلی۔ (باگ کھینچ کر) مہاراج، اب ہم کشیپ رشی کے آشرم میں آ گئے ہیں۔ جہاں جنتی پیڑ پودے لہلہا رہے ہیں۔

راجا اسی وجہ سے یہاں فردوس سے بھی زیادہ امن اور سکون ہے۔ مجھے تو یہ محسوس ہو رہا ہے کہ امرت کے کنڈ میں نہا رہا ہوں۔

ماتلی۔ (رتھ ٹھیرا کر) اب حضور یہاں اتر جائیں۔

راجا۔ اور تم؟

ماتلی۔ میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ رتھ یہیں رکا رہے گا۔ (رتھ سے اُتر کر) اِدھر سے آئیے۔ ذرا اس تپ بن کی عظمت کو ملاحظہ فرمائیے۔

راجا۔ یہ تو کلپ[1] کے پیڑوں کا بن ہے، جس کی ہوا پی کر آدمی زندہ

---

[1] پُرانک تلمیحات۔ ۱۰

رہ سکتا ہے۔ یہاں سنہری کنول کا پراگ ملا ہوا پانی اشنان کے لیے ملتا ہے۔ پیڑ اور بکھراج کے مندر پوجا کے لیے موجود ہیں۔ پھر ان پریوں کا حسن کیسا تپ توڑ ہے۔

اسی معراج کو حاصل کرنے کے لیے دوسرے لوگ جب تپ کی سختیاں جھیلتے ہیں۔ یہ سب ان تپشیویوں کے قدموں پر ہے۔ مگر یہ اسے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے اور اپنے دھیان میں مگن رہتے ہیں۔

ماتلی۔ بڑوں کی بڑی باتیں۔

(کسی کو دیکھ کر) اجی بڑے میاں، اس سمے مہاتما کشیپ کیا کر رہے ہیں؟

(کان پر ہاتھ لگا کر) کیا کہا؟ آشرم کی دیویوں کو بیوی کے فرائض سمجھا رہے ہیں!

راجا۔ پھر وہاں میاؤں کا کیا کام۔ انھیں نبٹ لینے دو تو چلیں گے۔

ماتلی۔ آپ گھڑی بھر اس اشوک کے پیڑ کی چھانو میں بیٹھیں۔ میں موقع دیکھ کر آپ کے آنے کا سندیسا کشیپ رشی کو سنا کر آتا ہوں۔

راجا۔ اچھا یہی سہی۔ (ماتلی جاتا ہے، راجا بیٹھ جاتا ہے)

راجا۔ (شگون دیکھ کر) میری بانہہ خواہ مخواہ کیوں پھڑکنے لگی۔
یہاں تو مُراد برآنے کی کوئی آس نہیں۔ جو آدمی گھر آئے
ہوئے سُکھ کو ٹھکرائے گا وہ اُس کے بدلے دُکھ اُٹھائیگا ہی۔
(پسِ پردہ) ارے نٹ کھٹ! تو اپنی شرارت سے
باز نہ آئے گا۔ پھر اپنی اصلیت پر آگیا۔
راجا۔ (کان لگاکر) یہاں کون ایسا چنچل چپل آگیا؟ یہ پھٹکار کس پر
پڑ رہی ہے؟
(جدھر سے آواز آرہی ہے، اُدھر حیرت سے دیکھتے ہوئے)
ارے یہ کس کا لڑکا ہوگا، جسے دو جوگنیں تھامے ہوئے ہیں۔
بچوں میں تو ایسا بل کبھی نہیں دیکھا۔ شیرنی کا بچّہ ابھی ماں کا
دودھ پی بھی نہ پایا تھا کہ یہ کھیلنے کے لیے ایال پکڑ کر اُسے
کھینچے لاتا ہے۔
(ایک لڑکا شیر کے بچے کو گھسیٹتے ہوئے آتا ہے، دو جوگنیں
اسے روکنے کی کوشش کر رہی ہیں)
لڑکا۔ شیر رے شیر، منہ پھاڑ تو میں تیرے دانت گنوں۔
ایک جوگن۔ ارے بزدئی! تو گونگے جانوروں کو کیوں ستاتا
ہے۔ ہم تو بال بچوں کی طرح ان کی دیکھ ریکھ کریں، مگر اس کے

پہاڑ کو دیکھو تو دن دن بڑھتا ہی جاتا ہے۔

سادھوؤں نے تیرا نام ''سروَدمن''[1] رکھا تو کیا غلط ہے۔

راجا۔ (خود) کیا وجہ ہے کہ اس بچّے کو دیکھتے ہی میرے سینے میں
چاہ کی ایسی لہر اُٹھ رہی ہے، جیسے یہ میری ہی اولاد ہو۔
شاید جو لاولد ہوتے ہیں، اُن کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔

دوسری جوگن۔ تو اسے نہ چھوڑے گا تو اس کی ماں تجھے پکڑ لے گی۔

لڑکا۔ (کھِل کھِلا کر) اوہو، شیرنی کا مجھے ایسا ہی تو ڈر ہے۔
(مُنہ چڑاتا ہے)

راجا۔ (خود) یہ لڑکا بڑا ہونہار معلوم ہوتا ہے۔ انگارہ ہے انگارہ
جسے ایندھن ملے تو ابھی آگ کا شعلہ بن جائے۔

جوگن۔ ننھے، تو اسے چھوڑ دے تو میں اچھّے اچھّے کھلونے دوں گی۔

لڑکا۔ نہیں، پہلے لاؤ۔ (ہاتھ پھیلاتا ہے)

راجا۔ اس کے سب لچھن شہنشاہوں کے سے ہیں۔ کیونکہ کھلونا لینے
کو جب اُس نے ہاتھ بڑھایا تو ملی ہوئی انگلیوں کے ساتھ اس
کی ہتیلی ویسی ہی بھلی لگتی تھی جیسے پو پھٹے کھِلتا ہوا لال کنول،
جس کی پنکھڑیاں ابھی جُڑی ہوئی ہوں۔

---

[1] سرودمن: سب پر جبر کرنے والا۔

ایک جوگن۔ (دوسری سے) یہ ضدی باتوں میں نہ آئے گا۔ جاؤ، میری کٹیا میں مٹی کا مور رکھا ہوا ہے اُسے ہی اُٹھا لاؤ۔

دوسری۔ ابھی لاتی ہوں۔ (جاتی ہے)

لڑکا۔ تب تک میں شیر کے بچّے سے ہی کھیلوں گا۔

(جوگن کی طرف دیکھ کر ہنستا ہے)

راجا۔ (خود) اس شریر کی طرف میرا دل کھنچ رہا ہے۔ بے بات پر ہنسنا، تتلا کر بولنا، دوڑ دوڑ کر گود میں اُچکنا۔ مجھے بچّوں کی یہ معصوم ادائیں بہت بھاتی ہیں۔ وہ ماں باپ خوش نصیب ہیں جو بچّوں کو گود لے کر اُن کے بدن کی دھول سے اپنا جسم میلا کرتے ہیں۔

جوگن۔ دیکھو، یہ من موجی میری بات پر کان ہی نہیں دیتا۔ (اِدھر اُدھر دیکھ کر)، یہاں کوئی چیلا بھی تو نہیں ہے۔ (راجا کو دیکھ کر) صاحب، مہربانی کر کے تمھیں آؤ اور اس نٹ کھٹ کے ہاتھ سے باگھ بچّے کو چھڑاؤ۔ کھیل کھیل میں اُسے اس زور سے جکڑ لیا ہے کہ چھڑائے نہیں چھوڑتا۔

راجا۔ اچّھا اچّھا۔

(ہنستے ہوئے لڑکے کے پاس جا کر)، رشی کمار! تیرے پُرکھوں

کا طور تو یہ ہے کہ ان بے زبانوں کی رکھوالی کریں۔ پھر تو' آشرم کی ریت کو توڑ کر ان کی آتما کو کیوں دُکھ دیتا ہے؟ تو نے تو چندن کے پیڑ پر ناگ کا بسیرا، کی مثل سچ کر دکھائی۔

جوگن۔ صاحب، یہ رِشی کمار نہیں ہے۔

راجا۔ اس کی صورت شکل اور حرکت تو یہی بتاتی ہے۔ لیکن اُسے تپ بن میں دیکھ کر یہی خیال گزرتا ہے کہ کسی سادھو سنّیاسی کا بیٹا ہوگا۔

(شیر کے بچّے کو چُھڑا کر، لڑکے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے)

(خود) معلوم نہیں یہ کس بنس کا دیپک ہے کہ ایک بار چھوتے ہی میرے روئیں روئیں میں سنسنی دوڑ گئی۔ پھر یہ جس گھر کا اُجیالا ہے اس کی مسرت کا کیا ٹھکانا ہوگا۔

جوگن۔ (دونوں کو دیکھ کر) کیسی عجیب بات ہے۔

راجا۔ کیوں، کیا ہوا؟

جوگن۔ تم دونوں کا ناک نقشہ بہت ملتا ہوا ہے۔ اور اس کا بھی اچنبھا ہے کہ بے جان پہچان اس ضدی نے تمھارا کہا کیسے مان لیا۔

راجا۔ (لڑکے کو کھلاتے ہوئے) بڑی بی، یہ رشی کمار نہیں تو پھر کس گھرانے کا ہے؟

جوگن۔ اجی، یہ تو پُروبنسی ہے۔

راجا۔ (خود) یہ کیا بات ہے۔ یہ ہمارے گھرانے کا کیوں کر ہوا اور پھر جوگن نے اسے میرا ہم شکل بھی بتلایا!

البتہ، ہمارے بنس میں یہ ریت تو ہے کہ جوانی میں کام کاج کے ساتھ راس رنگ بھی کرتے ہیں۔ اور بڑھاپے میں سنسار تج کر بن کے پیڑوں کے نیچے دھونی رماتے ہیں اور جپ تپ میں آخری عمر گزارتے ہیں۔

(بآواز) لیکن یہ ایسا مقام تو نہیں کہ ہر خاص و عام کے لیے کھُلا ہوا ہو؟

جوگن۔ یہ تو سچ ہے مگر اس کی ماں کا ناتا اپسراؤں سے ہے۔ اسی لیے اس کا جنم تپ بن میں ہوا۔

راجا۔ (خود) لو، امید کو ایک اور سہارا ملا۔

(بآواز) اور یہ تو کہو کہ اس کی ماں کس بھاگوان کی بیوی ہے؟

جوگن۔ جس پاپی نے اپنی بیاہی ہوئی بیوی کو گھر نکالا دیا اُس کا نام کون اپنی زبان پر لائے گا۔

راجا۔(خود) یہ اشارہ بھی میری طرف ہے۔ ذرا اس لڑکے کی ماں کا نام پوچھ دیکھوں۔

(سوچ کر رُک جاتا ہے) کہیں پرائی عورت نکلی تو اس کی پوچھ تاچھ باعثِ شرم ہوگی۔

(دوسری جوگن ہاتھ میں مٹّی کا مور لیے آتی ہے)

جوگن۔ منّے، دیکھ اس "شکنت[1]" کو۔ کتنا خوب صورت ہے۔

لڑکا۔ امّی جان کہاں ہیں؟

جوگنیں۔ ماں کا پیارا! نام سے دھوکا کھا گیا۔

دوسری جوگن۔ بیٹے، میں نے تو کہا تھا کہ مٹّی کے اس سُندر مور کو دیکھو۔

راجا۔ (خود)۔ کیا واقعی اس کی ماں کا نام شکنتلا ہی ہے؟...... مگر ایک نام کے بہت آدمی ہوتے ہیں...... اور کچھ نہیں تو یہ نام ہی سراب کی طرح مجھے پریشان کرنے کو آگیا۔

لڑکا۔ مجھے یہ کھلونا بہت بھاتا ہے (ہاتھ میں لے لیتا ہے)

جوگن۔ (گھبرا کر) ارے، اس کی باہ سے گنڈا کہاں گر پڑا۔

---

[1] شکنت۔ سنسکرت میں پرندے کو کہتے ہیں۔ جب شکنتلا جنگل میں پڑی ہوئی تھی تو پرندوں نے اس کی رکھوالی کی۔ اسی وجہ سے اس کا نام شکنتلا پڑا۔

راجا۔ جب یہ شیر کے بچے سے کھیل رہا تھا تو وہ زمین پر گر پڑا۔
یہ دیکھو۔ (اُٹھانے کو جھکتا ہے)

جوگنیں۔ نہ اُٹھاؤ، نہ اُٹھاؤ۔ ارے، اس نے کیا کیا!
(چھاتی پر ہاتھ رکھ کر اچنبھے سے ایک دوسرے کو تکتی ہیں)

راجا۔ میرے اُٹھانے سے کیا اس میں چھوت لگ گئی؟

جوگن۔ صاحب، یہ بات نہیں ہے۔ جب اس کا عقیقہ ہوا تو کشیپ رشی نے ایک گنڈا اس کے بازو پر باندھا۔ اس میں یہ گن ہے کہ اگر دھرتی پر گر پڑے تو ماں باپ کے سوا کوئی تیسرا نہ اُٹھا سکے۔

راجا۔ اور اگر اُٹھا لے؟

جوگن۔ تو یہ اُسی آن سانپ بن کر اُسے ڈس لیتا ہے۔

راجا۔ تم نے ایسا ہوتے کبھی دیکھا بھی ہے؟

جوگنیں۔ ایک نہیں، بیسیوں بار۔

راجا۔ (خوشی کے مارے باغ باغ ہو کر)۔ اب جا کر میری آرزو بر آئی۔ (بچے کو سینے سے چمٹا لیتا ہے)

دوسری جوگن۔ بہن آؤ۔ یہ خوش خبری دُکھیا شکنتلا کو سُنائیں۔ وہ بیچاری برسوں سے اسی دن کی آس میں برہ کے دن کاٹ رہی ہے۔ (دونوں جاتی ہیں)

لڑکا۔ مجھے چھوڑ دو۔ میں امّی پاس جاؤں گا۔

راجا۔ بیٹے، ہم تم دونوں اُن کے پاس چلیں گے تو وہ زیادہ خوش ہوں گی۔

لڑکا۔ تم میرے باپ تھوڑے ہو۔ میرا باپ تو دُشینت ہے۔

راجا۔ (مُسکراکر) یہ کہ کراُس نے میری رہی سہی دبدھا بھی مٹادی۔

(بال کھولے ہوئے شکنتلا آتی ہے)

شکنتلا۔ (خود) سُنا ہی سُنا ہے کہ سردمن کے گنڈے نے اپنا گُن نہیں دکھایا مگر اپنے جلے نصیبوں پر مجھے بھروسا نہیں ہوتا.... ....ہاں، اتنی آس ہے کہ شاید سانومتی کا کہا ٹھیک نکل آئے۔

راجا۔ (اسے دیکھ کر) آہ، یہی میرے دل کی رانی ہے۔ بہت دنوں سے تپ کرتے کرتے بدن سوکھ گیا ہے، بال اُلجھے ہوئے ہیں، تن پر گیروا برن ہے، سب چھوڑ کر مجھ سنگ دل کے لیے یہ باوفا بروگ کا دُکھ سہ رہی ہے۔

شکنتلا۔ (راجا کو دیکھ کر۔ جس کی شکل تاسّف کی وجہ سے بہت بدل گئی ہے۔ خود) میرے دیوتا کی یہ دھج تو نہیں تھی۔ اگر یہ وہ نہیں تو پھر کون ہے؟ کوئی اور ہے تو اُسے میرے بچّے کے رکشا بندھن کو چھونے کی جرأت کیسے ہوئی؟

لڑکا۔ (ماں کی طرف لپک کر)۔ امّی، یہ پردیسی کون ہے جس نے بیٹا کہہ کر مجھے گود میں اُٹھا لیا؟

راجا۔ (شکنتلا سے) میری دیوی! میں نے تم پر اتنا ظلم کیا لیکن اس کا انجام بھی مبارک ہوا۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ تم مجھے بھولی نہیں ہو۔

شکنتلا۔ (خود) میرے سہمے ہوئے دل! اب تو دھیرج رکھ۔ مجھے یقین ہو چلا کہ قسمت نے آخر میرے دن بھی پھیر دیے۔ ہاں میرے سوامی یہی ہیں۔

راجا۔ یہ کیسی نیک ساعت ہے کہ میری آنکھوں کے آگے سے وہ پردہ ہٹ گیا۔ اور اب میں اپنی پیاری کو اسی طرح رو برو دیکھ رہا ہوں جیسے گہن سے نکل کر دھندلایا ہوا چاند اپنی جوت کو دیکھتا ہے۔

شکنتلا۔ میرے دیوتا کی ———— (آواز آنسوؤں میں رندھ جاتی ہے)

راجا۔ میری جان میں سمجھ گیا کہ تو "جے" کہنا چاہتی تھی لیکن آنسوؤں نے اسے مسوس دیا۔ مگر تیرے دیدار ہونے کے بعد میری جے یقینی ہے۔

لڑکا۔ امّی، بتاؤ تو سہی کہ یہ آدمی کون ہے؟

شکنتلا۔ بٹیا، اپنی قسمت سے پوچھ (رونے لگتی ہے)

راجا۔ (شکنتلا کے قدموں پر گر کر) دیوی، تو توہین کے صدمے کو اپنے دل سے دھو ڈال۔ معلوم نہیں اُس وقت مجھ پر کیسی خود فراموشی طاری ہو گئی کہ میں تجھے بھول گیا۔ ناسمجھ اکثر اپنے آگے رکھی ہوئی نعمت کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ اندھے کے گلے میں ہار ڈالو تو وہ سانپ سمجھ کر اُسے پھینک دیتا ہے۔

شکنتلا۔ پران پیارے! مجھے کانٹوں میں نہ گھسیٹو۔ للّٰہ اُٹھو۔ اُن دنوں میرے پچھلے جنم کے پاپ آگے آئے۔ جنہوں نے میری نیکیوں پر پردہ ڈال کر تمہیں مجھ سے برہم کر دیا۔

(راجا اُٹھتا ہے)

اب یہ کہو کہ مجھ دُکھیا کی سُدھ کیسے آئی۔

راجا۔ میرے دل سے ندامت کا کانٹا نکل جائے تو سُناؤں۔ اس دن انجان میں ہونٹ پر گرتے ہوئے تیرے آنسو کی بُوند کو میں نے دیکھ کر اَن دیکھا کر دیا تھا۔ اس پچھتاوے کو آج میں تیری پلک پر اَٹکے ہوئے آنسو کو پونچھ کر مٹاؤں گا۔

(آنسو پونچھتا ہے)

شکنتلا۔ (راجا کی اُنگلی میں انگوٹھی دیکھ کر) کیا یہ وہی مندری ہے؟

راجا۔ ہاں۔ اس کے ملتے ہی مجھے تمہاری یاد آئی۔

شکنتلا۔ اس نے کیا ستم کیا کہ جب یاد دلانے کو میں نے اسے ڈھونڈا تو یہ گم ہو چکی تھی۔

راجا۔ پیاری، بہار سے دوبارہ سنجوگ ہونے کی نشانی میں بیل کو اپنی ٹہنی پھول سے سجانے دو۔ لو، یہ انگوٹھی پہن لو۔

شکنتلا۔ نہیں، مجھے اس کا بھروسا نہیں۔ تمہیں اسے پہنو۔

(ماتلی آتا ہے)

ماتلی۔ مہاراج! آج کا دن مبارک ہے کہ آپ نے کھوئی ہوئی لچھمی پائی اور اپنے بیٹے کا منہ دیکھا۔

راجا۔ ہاں، ماتلی۔ میری زندگی کے پیڑ پر ایک نیا پھل آیا ہے۔ اچھا یہ تو کہو کہ اندر بھگوان کو اس واقعے کی خبر تھی؟

ماتلی۔ لیجیے، اجی دیوتاؤں سے بھی کچھ پوشیدہ ہے؟ آئیے، مہاتما کشیپ آپ کے منتظر بیٹھے ہیں۔

راجا۔ شکنتلا، بچے کی انگلی پکڑ لو۔ میں تمہارے ساتھ اس مہارشی کے درشن کروں گا۔

شکنتلا۔ مگر مجھے تمہارے سنگ بڑوں کے سامنے ہوتے لاج آتی ہے۔

راجا-بھئی، اس شبھ گھڑی میں لاج شرم کیسی - آؤ بھی -

(سب چلتے ہیں- کشیپ رِشی اپنی بیوی ادیتی کے ساتھ آسن پر بیٹھے نظر آتے ہیں)

کشیپ - (اپنی بیوی سے) تمہارے سپوت اندر کی فوج کا سردار اور سنسار کا رکھوالا راجا دُشنیت یہی ہے - اس کی کمان کی کڑک کے آگے اندر کے کوندے کی گرج بھی دھیمی ہو جاتی ہے -

ادیتی -اس کی چال ڈھال سے ہی بڑائی ٹپکتی ہے -

ماتلی - (راجا سے -علیٰحدہ) مہاراج! دیکھا آپ نے دیوتاؤں کے ماتا پتا کو- آپ کی طرف یہ ایسی شفقت سے دیکھ رہے ہیں جیسے کوئی اپنی اولاد کو دیکھتا ہے۔ آگے بڑھ کر قدم لیجئے -

راجا- ماتلی! کیا کشیپ اور ادیتی یہی ہیں؟ کیا ان ہی نے سیاروں اور ستاروں کی تخلیق کی تھی؟ کیا یہی اندر کے جنم داتا ہیں؟ کیا ان کی ہی کوکھ سے وشنو وامن اوتار[1] بن کر پیدا ہوئے تھے؟

ماتلی -جی ہاں، وہ یہی ہیں -

راجا- (سجدہ کر کے) اِندر کا سیوک دُشنیت آپ دونوں کو پرنام کرتا ہے -

---

[1] پُرانک تلمیحات-۱۲

کشیپ - جُگ جُگ جیو اور دھرتی پر راج کرو۔

ادیتی - لڑائی کے میدان میں کوئی تمہارا ہم پلّہ نہ ہو۔

(شکنتلا بیٹے کے ساتھ قدموں پر گرتی ہے)

کشیپ - بیٹی، تیرا دولھا اندر کا جوڑی دار اور تیرا بیٹا اِندر کے وارث کا مقابل ہے۔ تجھے اس کے سوا کیا دعا دوں کہ تو اِندرانی کی ہم سر ہو۔

ادیتی - دُعا ہے کہ تو اپنے میاں کی محبّت اور عزّت کی اکیلی حق دار ہو، تیرا سپوت بڑی عمر پائے اور ماں باپ کی آنکھوں کو سدا سُکھ پہنچائے - آؤ بیٹھو۔

(سب لوگ رشی کو گھیر کر بیٹھ جاتے ہیں)

کشیپ - (ہرایک کی طرف باری باری سے دیکھ کر) کیسی نیک ساعت میں تم سب کا ملاپ ہوا - شکنتلا، یہ ہونہار بچّہ اور تم! ——— یہ سمجھو کہ دھرم، کرم اور دھن کا میل ہوا ہے۔

راجا - مہاتما، آپ کی نوازش کو کیا کہیے - یہی دیکھا ہے کہ پہلے پھول آتا ہے تب پھل لگتا ہے - پہلے بادل آتا ہے پھر برکھا ہوتی ہے لیکن تمہاری قدرت نرالی ہے کہ میری مُراد پہلے بر آئی اور دُعا بعد میں ملی۔

ماتلی۔ یہ مہاتماؤں کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔

راجا۔ مہاراج! آپ جانتے ہی ہیں کہ آپ کی اس باندی کا بیاہ گاندھرو ریت سے میرے ساتھ ہوا تھا۔ کچھ دنوں بعد اس کے میکے کے لوگ اُسے میرے پاس لائے۔ اُس وقت جانے میرے اوسان کیا ہوئے کہ میں اُسے بالکل بھول گیا۔ اور اُسے تج کر آپ کے عزیز کنو رِشی کا مجرم بنا۔ بعد میں اس گُم شدہ انگوٹھی کو دوبارہ دیکھتے ہی مجھے بھولی ہوئی بات یاد آئی۔ اس وجہ سے مجھے سخت حیرت ہے۔ یہ تو وہی قصّہ ہوا کہ سامنے ہاتھی کو دیکھ کر بھی کوئی کہے کہ نہیں یہ ہاتھی نہیں ہے۔ جب وہ چلا جائے تو گو مگو میں پڑ جائے کہ ہاتھی کہیں یہی تو نہ تھا۔ اور پھر اس کے پیروں کے نشان کو دیکھ کر باور کرے کہ بے شک میں نے پہچاننے میں غلطی کی تھی۔

کشیپ۔ بیٹا! اپنے گناہ کا خیال دل سے نکال دو۔ کیونکہ تم سے یہ انجان میں سرزد ہو گیا۔ اب سُنو۔

راجا۔ میں ہمہ تن گوش ہوں:۔

کشیپ۔ مینکا سے اپنی بیٹی کا الم نہیں دیکھا گیا اور وہ اُسے ادیتی دیوی کے پاس اُٹھا لائی۔ اسی وقت کشمن سے میں نے

معلوم کر لیا کہ تم نے دُرواسا کے شاپ کے کارن اِس ستی کو تج دیا ہے۔ اور جب تک انگوٹھی نہ ملے گی اس شاپ کا اثر باقی رہے گا۔

راجا۔ (خود) شکر ہے کہ میں اس کلنک سے بچ گیا۔

شکنتلا۔ (خود)۔ تو یہ کہو کہ پیارے نے مجھے جان بوجھ کر نہیں ٹھکرایا تھا۔ لیکن یاد نہیں پڑتا کہ مجھے کس نے اور کب شاپ دیا تھا۔ شاید کہ اُس آن بجوگ کے دُکھ میں میں اپنا، پرایا بھول گئی تھی کیونکہ بدائی کے سمے سکھیوں نے بھی تو جتایا تھا کہ دولہا کو انگوٹھی دکھا دینا۔

کشیپ۔ بیٹی، اب تجھے آگے پیچھے کا سب حال معلوم ہو گیا۔ اپنے میاں کو کبھی مجرم قرار نہ دینا۔

بَددُعا کی وجہ سے وہ خود فراموشی میں مبتلا ہو گیا۔ اور تجھے بھلا دیا۔ اب وہ ساعت ٹل گئی اور تجھے اپنا راج پاٹ مل گیا۔

گرد پڑ جانے سے درپن میں عکس نہیں پڑتا، مگر صاف کر دو تو کیسا جگر جگر کرنے لگتا ہے۔

راجا۔ (بچے کا ہاتھ تھام کر) پربھو، یہ میرے بنس کا نام لیوا اور پانی دیوا ہو گا۔

کشیپ۔ سُن لو کہ یہ راجاؤں کا راجا ہوگا۔
یہ نونہال ساتوں دیپوں کو جیتے گا اور جیسے اس آشرم کے جانوروں پر راج کرنے سے اس کا نام سرودمن پڑا، ویسے ہی سنسار کو امن و سکون پہنچا کر بھرت کہلائے گا۔

راجا۔ آپ کے سایہ میں جس بچّے کی پرورش ہوئی ہے وہ جو نہ کرے تھوڑا ہے۔

ادیتی۔ اجی سُنو۔ شکنتلا کے سوئے ہوئے بھاگ جاگے، یہ سندیسا اس کے مُنہ بولے باپ کو بھیجنا ہے۔ اس کی ماں مینکا تو یہیں کہیں ہے اور سب کچھ جانتی ہے۔

شکنتلا۔ (خود) مائی نے میرے دل کی بات کہ دی۔

کشیپ۔ اپنے تپ کے بَل سے کنّو کو سب حال معلوم ہوچکا ہوگا۔

راجا۔ شاید اسی وجہ سے وہ مجھ سے خفا نہیں ہوئے۔

کشیپ۔ اور کیا۔
جو بھی ہو، اپنی طرف سے ہمیں یہ مژدہ اُنہیں بھی سُنا دینا چاہیئے۔
ارے کوئی ہے؟

(ایک چیلا آتا ہے)

چیلا۔ گرو جی، کیا حکم ہے؟

کشیپ۔ تو ابھی اُڑ کر کنو منی کے پاس جا اور میری طرف سے یہ سُکھ سندیسا سُنا کہ درواسا کی بددُعا کی مدت ختم ہوگئی تو آج دُشنیت نے سدا سہاگن شکنتلا کو پہچانا اور سر آنکھوں پر لیا۔

چیلا۔ بہت خوب۔ (جاتا ہے)

کشیپ۔ بیٹا! اب تم بھی بال بچّے سمیت اندر کے رتھ پر بیٹھ کر خوشی خوشی اپنی راج دھانی سدھارو۔

راجا۔ بجا ارشاد۔

کشیپ۔ اور سُنو۔

اِندر اتنا مینہ برسائے کہ تمہاری پرجا مالا مال ہو جائے۔ تم اتنے "یگیہ" کرو کہ دیوتا نہال ہو ہو جائیں۔ ایک دوسرے کا دم بھرتے ہوئے تم دونوں سو جُگ تک راج کرو جس سے دھرتی اور آکاش کے باسیوں کے بھاگ کُھلیں اور وہ تم دونوں کا جس گایا کریں۔

راجا۔ مہاتما! میں تن من سے اپنے فرائض انجام دوں گا۔

کشیپ۔ بولو، تمہیں کوئی اور آشیرباد دوں۔

راجا۔ آپ نے تو اتنا دیا کہ میں اسی سے زیربار ہوگیا۔ تاہم اگر آپ پوچھتے ہیں تو پھر دُعا کیجئے کہ بھرت[۱] کا یہ بچن پورا ہو:۔

"راجا اپنی پرجا کی بھلائی کے دھیان میں رہا کریں۔ پنڈت گیان کی سیوا کیا کریں اور مہادیو مجھے نجات کا راستہ دکھائیں"۔

کشیپ۔ جاؤ، یہی ہوگا۔

(سب باہر جاتے ہیں)

ڈراپ

تمام شد

---

[۱] پرانک تلمیحات۔ ۱۲

U. F. 26

Deptt. of
Office ______

Subject ______

______

______

Head ______